مدینہ منورہ...
عہدِ قدیم سے دورِ جدید تک
تصنیف
محمود میاں نجمی
تالیف
محمد نعمان خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

باب نمبر1 1

- یثرب سے مدینہ تک
- شہرِیثرب کی تاریخ
- یثرب میں بنی اسرائیل کی آمد

باب نمبر 2 22

- یہودیوں کے زوال کی داستانِ عبرت
- یثرب اور اس کے اطراف یہودیوں کی نقل مکانی کی وجہ
- قبیلۂ اوس و خزرج کی یثرب آمد
- ایمان کی خوشبو یثرب کی فضائوں میں

باب نمبر 3 26

- .بیعتِ عقبہ ثانیہ
- یثرب سے مدینہ منورہ.....چند ایمان افروز یادیں

- یثرب کی جانب پہلی ہجرت

باب نمبر 4 37

- کیا گزری راہِ حق کے دیوانوں پر
- محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت میں سر کٹانے کو تیار ہیں
- صہیبؓ نے نفعے کا سودا کیا، ارشادِ نبویؐ
- اللہ کے نبیؐ جانبِ دارالہجرت

باب نمبر 5 48

- قباء میں تشریف آوری
- مرحبا سیّدِ مکّی مدنی
- شوقِ دیدارِ مصطفیؐ
- مدینۂ منوّرہ کے فضائل

باب نمبر 6 60

- شہادت کی آرزو اور مدینے میں وفات کی تمنّا
- عہدِ قدیم کا شہرِ بیمار...... مشرف بہ اسلام ہوگیا

- ہجرت کے بعد تین اوّلین کام

باب نمبر7 71

- ازواجِ مطہراتؓ کے حُجروں کی تعمیر
- صُفّہ اور اصحابِ صُفّہ
- اسلام کے پہلے مؤذن
- مدینہ منورہ میں سب سے پہلے بچّے کی پیدائش
- یثاقِ مدینہ..... دُنیا میں پہلا بین الاقوامی معاہدہ

باب نمبر8 83

- یثرب کے یہودیوں کی عادات و اطوار
- منافقین کی نشانیاں

باب نمبر 9 95

- نفاق کی ابتدا
- منافقینِ مدینہ سے مشرکینِ مکّہ کا رابط
- مدینے کا دفاعی نظام اور عسکری تربیت

باب نمبر 10 106

- اِذنِ قتال اور حکمِ جہاد
- غزوات و سرایا کا آغاز
- اسلامی جنگوں کے بارے میں اہلِ مغرب کا دُہرا معیار
- حق و باطل آمنے سامنے

باب نمبر 11 117

- اللہ کے نبی ﷺ بارگاہِ خداوندی میں
- وقت کے فرعون عبرت کا نشان بن گئے
- حضورؐ کے داماد ابوالعاص بھی قید میں
- مدینہ منورہ ہجرت کی ایک اور الم ناک داستان
- حضرت زینبؓ بنتِ رسول اللہ ﷺ کا انتقال

باب نمبر12 118

- دُشمنِ اسلام، ابو لہب کا بدترین انجام
- 2ہجری کے چند اہم واقعات
- غزوۂ اُحد

- غزوۂ اُحد کے بعد کے چند اہم واقعات
- ریاستِ مدینہ کا پانچواں سال

باب نمبر 13 139

- بدی کی قوتیں ریاستِ مدینہ سے نئی جنگ کے لیے تیار
- غزوۂ خندق
- یہودی قبیلے بنی قریظہ کی غدّاری
- مدینہ منوّرہ یہودیوں سے پاک ہوگیا
- قریش کے ساتھ معاہدۂ حدیبیہ
- مکّے کے جگر گوشے مدینے کے سفر پر
- غیر مُلکی سربراہان کو خطوط
- یہودیوں کی جنّت، خیبر
- قیصرِ روم کے ایوان لرز اُٹھے

- قیصرِ روم کے ایوان لرز اُٹھے

باب نمبر 14

151

- ریاستِ مدینہ کے حُکم ران، فاتح کے رُوپ میں
- شہرِ مدینہ کی طرف واپسی کا سفر
- یثرب سے مدینے تک کے سفر کا نواں سال
- جزائرِ عرب کے گوشے گوشے سے وفود کی آمد
- حضرت معاذ بن جبلؓ سے الوداعی ملاقات
- سونپا گیا کام تکمیل پا چکا

باب نمبر 15

159

- سورۂ نصر کا نزول اور رحلت کا اشارہ
- مدینہ منورہ سے مکّہ مکرمہ تک کا مقدّس سفر
- رفیقِ اعلیٰ کی جانب سفر کا آغاز
- مرضِ وصال کا آغاز
- ’’مدینہ منوّرہ..... دورِ خلافتِ راشدہ میں‘‘

باب نمبر 16 169

- امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰؓ کی خلافت کا آغاز اور مدینۂ منوّرہ کے تقدّس کی بحالی
- مدینۂ منوّرہ.....بنو اُمیّہ کے دَورِ خلافت میں
- حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دورِ خلافت
- مدینۂ منوّرہ..... عباسی دورِ حکومت میں

باب نمبر 17 181

- سعودی حکمرانی کا عہدِ اوّل
- موجودہ سعودی عہد میں مدینہ منوّرہ
- مسجدِ نبویؐ کی توسیع، سلطنتِ عثمانیہ کے دَور میں
- مسجدِ نبویؐ کی توسیع و تعمیر، سعودی عہد میں

باب نمبر 18 193

- شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کا مسجد نبویؐ کا توسیعی پلان
- روضۂ رسولؐ (حجرہ شریف)

- ریاض الجنۃ
- مسجد نبویؐ کی محرابیں
- منبرِ نبویؐ

باب نمبر19 205

- "اسطواناتِ رحمت"، مسجد نبویؐ کے ستون
- مدینہ منوّرہ کی دُوسری تاریخی مساجد

باب نمبر20 223

- جنّت البقیع.....مدینہ منورہ کا مشہور و معروف تاریخی قبرستان

باب نمبر21 228

- مدینہ منوّرہ کے پہاڑ
- مدینہ منوّرہ کے آتش فشاں پہاڑ
- مدینہ منورہ کی چند مشہور وادیاں

ایک وضاحت

روزنامہ جنگ کے سنڈے میگزین میں محمود میاں نجمی صاحب کا ایک مضمون " مدینہ منورہ عہد قدیم سے دور جدید تک" شائع ہوا تھا ۔ یہ کل تئیس اقساط پر مشتمل تھا ۔ میں نے ان تمام مضامین کو یکجا کر کے کے کتابی شکل دے دی ہے تاکہ ان مضامین سے کسی بھی وقت استفادہ کیا جا سکے ۔ اس کتاب کو کمپوز کرنے کا مقصد محض رضائے الہی ہے۔

وسلام
محمد نعمان خان

ننھے ارتضیٰ اور نشوہ کے نام

جن کے قہقہوں سے انکے والدین اور گھر والوں کو خوشی و اطمینان میسر آتا ہے ۔ دعا ھے کہ اللّٰہ رب العالمین ان پر ، انکے والدین پر اور باقی گھر والوں پر اپنا فضل وکرم فرمائے،آمین

باب نمبر 1

مغربی سعودی عرب کے خطّہ حجاز کا شہر، مدینہ منوّرہ اسلام کا دوسرا مقدّس ترین شہر ہے۔ اس کا پُرانا نام یثرب تھا، لیکن حضرت محمّد ﷺ کی ہجرتِ مبارکہ کے بعد اس کا نام مدینۃ النبی ﷺ رکھ دیا گیا، جو بعدازاں مدینہ بن گیا۔ اس شہرِ مقدّس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہاں مسجدِ نبوی ؐ اور حضور نبی کریم ﷺ کا روضۂ مبارک ہے، جس کی زیارت کے لیے ہر سال لاکھوں فرزندانِ توحید یہاں پہنچتے ہیں۔

تاریخِ اسلام کی پہلی مسجد، مسجدِ قباء بھی اِسی شہر میں موجود ہے۔ مکّہ مکرّمہ کی طرح مدینہ منوّرہ میں بھی صرف مسلمانوں کو داخلے کی اجازت ہے اور اس کی ایک اور خصوصیت جو بیان کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس کے چاروں اطراف باقاعدہ فرشتے مقرر ہیں اور یہاں دجّال داخل نہیں ہو سکے گا۔ بلاشبہ دنیا بھر کے تمام مسلمان اس شہر سے خصوصی دلی لگائو رکھتے ہیں۔

جنگ، سنڈے میگزین کے قارئین کی دل چسپی و آگہی کے لیے ''مکّہ مکرمہ: ماضی و حال کے آئینے' میں جیسے خُوب صُورت سلسلے کی اشاعت کے بعد، شہرِ مقدّس، مدینہ منوّرہ کی تاریخ، تہذیب و تمدّن اور تعمیر و ترقی کے ضمن میں ''مدینہ منورہ.... عہدِقدیم سے دورِ جدید تک'' کے عنوان سے یہ نیا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔ مضمون کی پہلی قسط پیشِ خدمت ہے۔

یثرب سے مدینہ تک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو اہم سہاروں سے **محرومی**: کوہِ ابو قبیس کی سنگلاخ گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی، شعب ابی طالب میں تین سالہ سخت ترین مقاطعہ اور اذیت ناک محصوری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو عزیز ترین ہستیوں جناب ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی صحت پر بُرے اثرات مرتّب کیے۔ اسیری کے خاتمے کے چھے ماہ بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرپرست، حامی و مددگار چچا، سردار بنو ہاشم، جناب ابو طالب وفات پا گئے۔ ابھی کچھ دن ہی گزرے تھے کہ آپؐ کی اہلیہ، مونس و غم گسار، سچی رفیق اور بہترین مشیر، حضرت خدیجہؓ بھی داغِ مفارقت دے گئیں۔ ان پے درپے الَم ناک سانحات نے آنحضرت صلی اللہ علہ وسلم کے

مصائب میں بے انتہا اضافہ کردیا۔ ان اہم سہاروں سے محرومی نے قریشِ مکّہ کو مزید بے باک کردیا تھا۔

وہ جو اذیّتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب کی زندگی میں نہیں پہنچا سکتے تھے، اُن کے بعد پہنچانی شروع کردیں۔ بیہقی نے عروہ بن زبیرؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''قریش، ابو طالب کی وفات تک بزدل بنے رہے۔'' قریش مکّہ خوش تھے کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پشتیبان کوئی نہیں رہا۔ چناں چہ نفرتیں، دشمنیاں، تکالیف اور اذیّتیں اس قدر شدّت اختیار کرگئیں کہ دینِ اسلام کا دشمن ابو لہب بھی آپؐ کی حمایت پر مجبور ہوگیا۔

ابنِ سعدؒ نے لکھا ہے کہ ''مکّہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوگوں کی بدسلوکیاں حد سے بڑھ گئیں، تو ابو لہب سے برداشت نہ ہوسکا۔ اس نے قریش سے کہا۔ ''تم لوگ محمدؐ پر مظالم اس لیے توڑتے ہو کہ اُن کا کوئی سرپرست باقی نہیں رہا، مگر میں اب اپنے بھتیجے کی حمایت کروں گا۔'' لیکن پھر چند روز بعد ہی حق کا حامی بننے والا دشمنِ خدا اپنی اصلیت کی طرف پلٹ گیا۔ (سیرتِ سرورِ عالمؐ، 2/626)۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ مکّہ کے دِلوں اور کانوں پر مہر لگا دی: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپؐ بعد نمازِ فجر مکّہ کے بازاروں میں تشریف لے جاتے اور اہلِ مکّہ کو دین کی دعوت دیتے، لیکن ابو طالب اور اماں خدیجہؓ کی وفات کے بعد تو یوں لگا کہ جیسے اہل مکّہ اجنبی اور بیگانے ہوگئے۔ جو پہلے رُک کر آپؐ کی بات سُن لیا کرتے تھے، اب اُس کے بھی روادار نہیں رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا اندازہ ہوچکا تھا کہ مکّہ مکرّمہ کی بنجر زمین پر فی الحال کسی بھی قسم کی آب یاری ممکن نہیں... اور پھر ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ جبرائیل امین علیہ السلام پیغامِ الٰہی لے کر نازل ہوگئے۔ اللہ نے اپنے محبوب نبیؐ سے فرمایا۔ ''(اے محمدؐ!) اِن کافروں کو تم نصیحت کرو یا نہ کرو، یہ ایمان لانے والے نہیں، اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مُہر لگا رکھی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، اور اُن کے لیے بڑا عذاب تیار ہے۔'' (سورۃ البقرہ، آیت 6،7)۔

رسول اللہؐ کے خواب اور ہجرت کی ترغیب: یہی وہ دن تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کھجوروں کے لہلہاتے باغات کی ایک سرزمین کی طرف آپؐ ہجرت فرما رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ شاید یہ جگہ ''یمامہ'' یا ''ہجر'' ہے، لیکن وہ

سرزمینِ ''یثرب'' تھی۔ (صحیح بخاری، 3622/3896)۔ اس خواب کے بعد ایک رات پھر آپؐ نے دیکھا کہ پتھریلی چٹانوں کے درمیان ایک ایسی بستی کی جانب ہجرت فرما رہے ہیں کہ جہاں کھجور کے باغات ہیں۔ اب آپ کو یقین ہوگیا کہ وہ یثرب ہے۔ (صحیح بخاری، 3905)۔ حضرت عمرو سے روایت ہے کہ ''میں نے عبید بن عمیرؓ سے سنا ہے کہ انبیاء کے خواب بھی وحیِ الٰہی ہوتے ہیں۔'' (صحیح بخاری، 138)۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی اجازت پہلے ہی فرمادی تھی۔

قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ''(اے نبیؐ!) کہو کہ اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو۔ اپنے ربّ سے ڈرو، جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک رویّہ اختیار کیا ہے، اُن کے لیے بھلائی ہے اور خدا کی زمین وسیع ہے۔ صبر کرنے والوں کو تو اُن کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔'' (سورۃالزمر، آیت 10)۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔ ''اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو۔ میری زمین وسیع ہے۔ پس، تم میری ہی بندگی بجا لائو۔'' (سورۃ العنکبوت، آیت، 56) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ اور اہلِ ایمان کو ہدایت فرما رہا ہے کہ ''اگر اللہ کی بندگی کے لیے ایک جگہ تمہارے لیے تنگ پڑ گئی ہے، تو فکر کیوں کرتے ہو، اللہ کی زمین تو بہت وسیع ہے۔ اپنا دین بچانے کے لیے کسی اور طرف نکل کھڑے ہو۔''

چچا ابو طالب کی وصیّت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد آیا کہ چچا ابو طالب نے بھی یثرب چلے جانے کی وصیّت کی تھی۔ ابنِ سعدؒ نے امام محمّد بن سیرین کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابو طالب نے انتقال سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ ''بھتیجے! میرے انتقال کے بعد تم اپنے اخوال یعنی اپنے دادا کی ننھیال بنو نجار کے پاس یثرب چلے جانا، کیوں کہ وہ اپنے گھر والوں کی حفاظت دوسروں سے بڑھ کر کرتے ہیں۔'' اس وصیّت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو طالب کیسے دانا اور صاحبِ بصیرت تھے، اُن کی نگاہ کتنی دوررس تھی۔

خصوصاً ہجرت کے معاملے میں انہوں نے تین سال پہلے جو رائے دی تھی، وہ بالآخر نہایت صحیح ثابت ہوئی۔ حالاں کہ اُس وقت کسی کے گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ جزیرہ نمائے عرب کا ایک بیمار شہر ''یثرب'' محمّدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثاروں کو اپنی آغوش میں پناہ دے کر دنیا کی وہ پہلی عظیم الشّان ریاست بن جائے گا، جہاں سے آفتابِ رسالت کی مقدّس شعاعیں دنیا کو روشن و منوّر کردیں گی۔ (سیرت سرور عالم،625/2)۔

ہجرت کا اِذنِ عام: ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ ذی الحجہ 13میں بیعتِ عقبہ ثانی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّے کے مسلمانوں کو مدینے کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بھائیوں اور گھر کا انتظام کر دیا ہے، جہاں تم پُرامن طور پر سکون سے رہ سکو گے۔''

شہرِ یثرب کی تاریخ

محلِ وقوع، موسم: یثرب، مدینہ منوّرہ کا قدیم نام ہے۔ مکّہ مکرّمہ سے 450 کلومیٹر شمال میں سنگلاخ پہاڑی سلسلوں سے ذرا آگے کھجوروں کے سرسبز و شاداب باغات کی آغوش میں ایک پُرفضا و خوش نُما وادی ہے۔یہ شہر مکّہ مکرّمہ اور شام کے وسط میں واقع ہے۔ مغرب میں سمندر سے ایک سو تیس میل دُور اور سطحِ سمندر سے619میٹر بلندی پر آباد یہ شہر جاناں سرزمینِ عرب کا رُوح پرور اور صحت افزا مقام ہے۔یہاں سردیوں میں سخت سردی اور گرمیوں میں سخت گرمی پڑتی ہے۔ بارشیں عموماً موسمِ سرما میں ہوتی ہیں۔

یہاں کی صبحیں نہایت حسین و جمیل، دن روشن و منور، شامیں بابرکت و پُررونق، راتیں بقعہ نور ہیں، تو یہاں کے باشندے ٹھنڈے مزاجوں کے حامل ہنس مکھ، ملن سار اور مہمان نواز ہیں۔ یاد

رہے، یثرب کو ہجرتِ نبیؐ سے پہلے ''شہرِبیمار'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مہلک امراض کے حامل، وبائوں اور بیماریوں کے اس شہرِبیمار میں رونق افروز ہوئے، تو یہاں کی آب و ہوا صحابہ کرامؓ کو بھی راس نہیں آئی۔ اکثر مہاجرین بیماریوں میں مبتلا ہوکر صاحبِ فراش ہوگئے۔

امّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ بیان فرماتی ہیں کہ ''جب یہاں ہجرت کرکے آئے تو یہ اللہ کی زمین میں سب سے زیادہ بیماریوں والا شہر تھا۔ اس کے درمیان میں بطحان نامی ایک نالہ تھا، جس میں ہر وقت بدبودار پانی بہتا رہتا تھا۔'' ام المومنینؓ فرماتی ہیں کہ ''میرے والد ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ بخار میں مبتلا تھے اور شدّت سے کراہ رہے تھے۔ چناں چہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اُن کی تکلیف کی شدّت سے آگاہ کیا۔

میری بات سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کے لیے دستِ مبارک بلند فرمائے اور یہ دُعا فرمائی: ''اے بارِ الٰہی، ہمارے لیے مدینہ کو بھی اُسی طرح محبوب بنادے، جیسے مکّہ محبوب ہے یا اس سے بھی زیادہ کردے، مدینے کی فضائوں کو صحت بخش کردے، اس کے بازاروں اور غلّے کے پیمانوں میں برکت عطا فرمادے اور اس میں موجود بخار کو جحفہ منتقل کردے۔'' (صحیح بخاری

حدیث، 3926)۔ اس دُعا کے بعد اللہ نے اس شہر پر اپنا فضل فرمایا اوریہاں کے حالات یک سر تبدیل ہوگئے۔

یثرب..... وجہِ تسمیہ: قومِ عمالیق کے ایک خاندان بنو عبیل کے سردار ''یثرب بن قانیہ'' کے نام پر اس جگہ کو یثرب کہا جانے لگا۔ یثرب، مصری زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ملامت، فساد، گناہ پر عار اور ذلیل کرنے کے ہیں۔ اللہ کے نبیؐ ہمیشہ بُرے ناموں کو اچھے ناموں سے تبدیل فرما دیا کرتے تھے۔ چناں چہ آپؐ نے شہر میں داخل ہوتے ہی اس کا نام یثرب سے ''مدینہ منوّرہ'' رکھ دیا۔

سیّدنا جابرؓ بن سمرہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس شہر کا نام مدینۂ طیبہ رکھوں۔ (سنن ابو دائود، 204/2)۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل اور ہر ہدایت اللہ کی رضا، مرضی اور حکم کے تابع ہوتی ہے۔ یہ صحیح بخاری کی حدیثِ مبارکہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''منافق اسے یثرب کہتے ہیں، حالاں کہ اس کا نام مدینہ ہے۔'' (صحیح بخاری، 252/1)۔ مسندِ احمد کی حدیثِ مبارکہ کے

مطابق، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اب جو مدینہ منوّرہ کو یثرب کہے گا، اس کے نامۂ اعمال میں ایک گناہ لکھ دیا جائے گا۔'' (تاریخِ مدینہ منوّرہ، ص، 27)۔

طوفانِ نوحؑ کے بعد پہلا شہر ''بابل'': حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ طوفانِ نوحؑ کے دوران حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں 80 خاندان مقیم تھے۔یہ کشتی150دن تک پانی میں رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رُخ بیت اللہ شریف کی جانب کردیا۔ اس نے چالیس دن وہاں طواف کیا۔ پھر باری تعالیٰ کے حکم سے یہ جبلِ جُودی کے ساحل پر لنگر انداز ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان لوگوں کی رہائش کے لیے ایک بستی تعمیر کروائی، جسے تاریخ میں ''سوق الثمانین'' (80خاندانوں کی بستی) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اسی دوران اللہ تعالیٰ نے ان سب کی زبانوں کو بدل دیا، یعنی کُل 80زبانیں ہوگئیں، جن کی ترجمانی کے فرائض حضرت نوح علیہ السلام انجام دیا کرتے تھے۔ جب ان کی نسل میں اضافہ ہوا، تو یہ بستی سے نکل کر قُرب و جوار میں پھیل گئے، اس طرح بابل شہر آباد ہوا، جو96مربع کلو میٹر میں تھا۔ ان کی افزائشِ نسل کا سلسلہ جاری رہا، حتیٰ کہ آبادی ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ پھر ان

لوگوں نے نمرود بن کنعان بن سماریب بن نمروز بن کوش بن حام بن نوح علیہ السلام کو اپنا بادشاہ مقرر کرلیا۔

ابتدا میں ان کی زبان سریانی تھی، لیکن جلد ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں عربی زبان کا فہم بھی عطا فرمادیا۔ سب سے پہلے ''عاد'' اور ''عبیل'' نے عربی زبان میں کلام کیا۔ (تاریخِ مدینہ منوّرہ، محمّد عبدالمعبود، صفحہ70) علاّمہ طبری لکھتے ہیں کہ قبیلہ عمالیق کے بانی عملیق بن لاود بن سام بن نوح ؑنے سب سے پہلے عربی زبان میں کلام کیا۔ سوق الثمانین کی بستی جبل نہاوند کے قریب عراق کے شہر موصل میں تھی۔

سرسبز و شاداب آبادی، یثرب: آبادی میں اضافے کی وجہ سے مختلف خاندانوں نے سرزمین ِعرب کے دیگر علاقوں میں ہجرت شروع کردی۔ قبیلہ بنو عبیل مغرب کی سمت ایک ایسی سرسبز و شاداب وادی میں ہجرت کی، جہاں ہریالی بھی تھی اور میٹھے پانی کے چشمے بھی۔ قبیلے کے سردار ''یثرب بن قانیہ'' کو یہ جگہ بڑی پسند آئی۔ یہاں چوپایوں کے لیے قدرتی چراگاہیں بھی موجود تھیں، چناں چہ قبیلے نے یہیں رہائش اختیار کرلی اور اس جگہ کو یثرب کے نام سے پکارا جانے نے لگا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ شہرِیثرب2200 قبلِ مسیح میں آباد ہوا۔ جب کہ قوم عمالقہ کے باشندے بابل شہر سے یمن کی جانب کُوچ کرگئے۔ یہ لوگ نہایت قوی ہیکل، دیوپیکر، زبردست طاقت وَر اور جفاکش تھے۔ خُوب صُورت عمارتیں بنانا اور باغ بانی و زراعت اُن کا پیشہ بھی تھا اور مشغلہ بھی۔ اُنھوں نے اپنے زورِ بازو سے یمن کے اطراف تمام علاقوں پر قبضہ کرکے اپنی حکومت قائم کرلی، یہاں تک کہ یثرب سے بنو عبیل کو بھی بے دخل کردیا، جس کے بعد ایک وقت وہ آیا کہ مدینہ منوّرہ، مکّہ مکرّمہ سمیت سرزمینِ عرب پر قوم عمالقہ کی حکومت قائم ہوگئی۔ (کتاب المحبر، صفحہ 385)۔

یثرب میں بنی اسرائیل کی آمد

یہودی یثرب میں پہلی مرتبہ کب آئے: مدینہ منوّرہ میں یہودی کس کس دَور میں آکر آباد ہوئے، یہ جاننے کے لیے ماضی کے کچھ ادوار کا جائزہ لیتے ہیں۔ اصفہان کے مشہور ادیب علی بن حسین ابو الفرج اصفہانی 20 جلدوں پر مشتمل اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الاغانی'' میں یہودیوں کے مدینہ منوّرہ میں آمد کے بارے میں تفصیل کے ساتھ تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے مدینہ منوّرہ میں آمد سے پہلے مدینہ کے تمام علاقوں یعنی تیماء سے فدک تک تمام سرسبز و شاداب باغات،

کھیت کھلیان، چراگاہوں سمیت مدینہ منوّرہ اور اس کے اطراف کے تمام علاقوں پر قومِ عمالقہ کے مختلف قبائل کا قبضہ تھا۔ یہ لوگ نہایت طاقت ور، سرکش اور جنگجو تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم عمالقہ سے جہاد کرنے کے لیے بنی اسرائیل کی ایک بڑی فوج حجاز روانہ کی اور حکم دیا کہ بادشاہ سمیت تمام مردوزن کو قتل کردیا جائے، چناں چہ اسرائیلی فوج نے بھرپور حملہ کرکے وہاں کے بادشاہ سمیت تمام لوگوں کو موت کی نیند سلا دیا، مگر ایک حسین و جمیل شہزادے کو زندہ رہنے دیا کہ اس کے قتل کا فیصلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود کریں گے۔ یہ لوگ جب اپنے ملک واپس پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام انتقال فرما چکے تھے۔

قوم کے ذمّے داروں نے جب یہ دیکھا کہ ان لوگوں نے حضرت موسیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے، تو اس غلطی کو ناقابلِ معافی جرم قرار دے کر ملک بدر کردیا۔ چناں چہ یہ لوگ حالات سے مجبور ہوکر حجاز کی جانب لوٹ گئے۔ ان میں سے ایک دو قبیلے مدینہ منوّرہ میں آباد ہوئے۔ یوں 1400 قبلِ مسیح میں یہ یہود کا پہلا لشکر تھا، جو پہلی مرتبہ مدینہ میں آباد ہوا۔ یہ لوگ زمانۂ دراز تک مدینہ منوّرہ میں قلعے، محل اور جاگیریں بناکر عیش و عشرت اور امن و سکون کی زندگی گزارتے رہے۔ (کتاب الاغانی، جلد19، ص969.94)۔

باب نمبر2

بنی اسرائیل پر دنیا پرستی کا شدید غلبہ: حضرت سلیمان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل پر دنیا پرستی کا شدید غلبہ ہوا، اُنھوں نے آپس میں لڑ کر اپنی دو الگ سلطنتیں قائم کر لیں۔ شمالی فلسطین اور شرق اردن میں سلطنت اسرائیل، جس کا پایۂ تخت ''سامریہ'' قرار پایا۔ جنوبی فلسطین اور اُدوم کے علاقے میں سلطنتِ یہودیہ قائم کی، جس کا پایۂ تخت یروشلم رہا۔ یہ دونوں سلطنتیں مشرکانہ عقائد اور اخلاقی فساد میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ان میں سے اسرائیلی ریاست میں شرک اور بداخلاقی کے سیلاب نے ان کے دینی تشخص کو تباہ و برباد کردیا تھا اور اب اللہ کا عذاب ان کا مقدر بن چکا تھا۔ (تفہیم القرآن، 2/597)

یہودیوں کے زوال کی داستانِ عبرت

73ء قبلِ مسیح میں ''اشور'' کے سخت گیر بادشاہ ''سارگون'' نے ریاست اسرائیل کے پایۂ تخت ''سامریہ'' کو فتح کرکے اسرائیلی حکومت کا خاتمہ کیا۔ ہزارہا اسرائیلی تہ تیغ کیے گئے۔ 27ہزار بااثر اسرائیلیوں کو ملک سے نکال کر تتّر بتّر کردیا گیا۔ چناں چہ کچھ یہودی ریاست اسرائیل سے

بھاگ کر یثرب میں پناہ گزین ہو گئے۔ 598 قبلِ مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے فوج کشی کر کے یروشلم سمیت پوری سلطنتِ یہودیہ کو مسخّر کرلیا اور بادشاہ کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گیا۔

اس موقعے پر بھی کچھ یہودی خاندان یثرب کی جانب کوچ کر گئے، جو اپنے علاقے میں رہے، وہ ذلیل و پامال ہوتے رہے۔ 587ء قبلِ مسیح میں بخت نصر نے ایک بار پھر سخت ترین حملہ کر کے یہودیوں کے تمام بڑے چھوٹے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ یروشلم اور ہیکلِ سلیمانی کو پیوندِ خاک کردیا۔ یہودیوں کی بہت بڑی تعداد کو علاقے سے نکال کر ملک بدر کردیا، لہٰذا اس دوران چند قبائل نے یثرب کا رخ کیا۔ (تفہیم القرآن، 598/2) بابل کے حکمران بخت نصر نے ان حملوں کے دوران 6 لاکھ یہودیوں کو قتل کیا اور چھے لاکھ سے زیادہ عورتوں، مردوں اور بچّوں کو جانوروں کے ریوڑ کی طرح ہانک کر بابل لے گیا۔

جہاں یہ لوگ سوا سو سال تک بدترین غلامی کی زندگی بسر کرتے رہے، ان ہی میں سے چند قبائل نے یثرب میں پناہ لی۔ 198 قبلِ مسیح میں یونانی سپہ سالار اینٹوکس سوم نے فلسطین پر قبضہ کرلیا اور جابرانہ طاقت سے کام لے کر یہودی مذہب و تہذیب کی بیخ کنی کرنی چاہی، لیکن حضرت عزیر

علیہ السلام کی دینی تعلیمات کا اثر تھا کہ بنی اسرائیل نے یونانیوں کو نکال کر ''مکابی سلطنت'' کے نام سے ایک آزاد ریاست قائم کرلی۔ 63 قبلِ مسیح میں ''پومپئی'' نے بیت المقدس پر قبضہ کرکے یہودیوں کی آزادی ختم کی۔ 70 عیسوی میں رومی سپہ سالار جنرل ٹائٹس (Titus) نے بزورِ شمشیر یروشلم پر قبضہ کرلیا۔ ہیکلِ سلیمانی کو ایک بار پھر مسمار کردیا گیا۔ جنرل ٹائٹس کے حکم پر شہر میں قتلِ عام ہوا۔

ایک دن میں ایک لاکھ 33 ہزار یہودی قتل ہوئے، جب کہ 67 ہزار کو غلام بنا لیا گیا۔ اس طرح ارضِ فلسطین سے بنی اسرائیل کا عمل دخل مکمل طور پر ختم ہوگیا۔ بیسویں صدی کے شروع تک یعنی پورے دو ہزار سال یہ لوگ جلا وطنی اور انتشار کی حالت میں رہے۔ 70 عیسوی میں جنرل ٹائٹس کے ہاتھوں مسمار ہونے والے ہیکلِ سلیمانی کی آج تک تعمیر نہ ہوسکی۔ یہ خلاصہ ہے اس قوم کی داستانِ عبرت کا، جو اپنے وقت کی عظیم قوم تھی۔ جس کے اندر 14 سو برس تک مسلسل نبوّت رہی، جسے تین الہامی کتابوں سے نوازا گیا، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''اے بنی اسرائیل، یاد کرو میری وہ نعمتیں، جو میں نے تمہیں عطا کیں اور تمہیں تمام جہانوں میں فضیلت دی۔'' (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 122)۔

بنی اسرائیل کی مسلسل بداعمالیوں اور نافرمانیوں کی بناء پر یہودی امّت کو منصب سے معزول کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت کو اس مسندِ فضلیت پر متمکن کیا گیا۔ حضورؐ نے اپنی امّت کے بارے میں فرمایا کہ ''تم لوگوں پر بھی عین وہی حالات وارد ہوں گے، جو بنی اسرائیل پر ہوئے تھے۔'' چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ مسلمانوں کو پہلا عروج عربوں کی زیرِ قیادت نصیب ہوا۔ اس کے بعد جب زوال آیا، تو صلیبیوں کی یلغار کی صُورت میں ان پر عذاب کے کوڑے برسے، پھر تاتاریوں نے ہلاکو خان اور چنگیز خان کی قیادت میں عالمِ اسلام کو تاخت و تاراج کیا۔

اس کے بعد قدرت نے عالمِ اسلام کی قیادت عربوں سے چھین کر اُن ہی تاتاریوں کے ہاتھوں میں دے دی، جنہوں نے لاکھوں مسلمانوں کا خون بہایا تھا۔ تُرکوں کی قیادت میں امّتِ مسلمہ کو ایک دفعہ پھر عروج نصیب ہوا، لیکن نافرمانیوں کی بنا پر امّت مسلمہ پر دوسرا عذاب اقوامِ یورپ کی شکل میں آیا۔ چناں چہ بیسویں صدی کے آغاز میں عظیم الشّان عثمانی سلطنت کا خاتمہ ہوا اور یورپی اقوام پورے عالمِ اسلام پر قابض ہوگئیں۔ (بیان القرآن، ڈاکٹر اسرار احمد، جلد 4 ، صفحات 286 ,288)۔

یثرب اور اس کے اطراف یہودیوں کی نقل مکانی کی وجہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے آنحضر تصلی اللہ علیہ و سلم کی بعثت تک بڑی تعداد میں یہودیوں نے یثرب کی جانب نقل مکانی کی اوریثرب سے خیبر تک بڑے حصّے میں رہائش پذیر ہوگئے، جہاں انہوں نے نہ صرف زراعت کو فروغ دیا، بلکہ اپنی مستقل رہائش کے لیے بڑے بڑے مکانات، حویلیاں اور جنگی قلعے بھی تیار کیے۔بنی اسرائیل، اپنی مقدّس کتاب، توریت کے علم سے بخوبی واقف تھے۔

جس میں جزائرِ عرب میں نبی آخرالزماں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ و سلم کے ظہور پذیر ہونے کی پیش گوئی کی گئی تھی۔ اور پھر پورے حجاز میں صرف یثرب ہی ایک ایسا شہر تھا، جو توریت میں بیان کی گئی شہرِ نبیؐ کی صفات پر پورا اُترتا تھا۔یہودی اس بات سے بھی آگاہ تھے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد تمام نبیوں کا تعلق بھی بنی اسرائیل ہی سے تھا، لہٰذا اُنہیں اس بات کا کامل یقین تھا کہ آنے والے نبیؐ بھی بنی اسرائیل ہی سے ہوں گے۔

یہی وجہ تھی کہ بڑی تعداد میں یہودی مختلف ادوار میں مدینۂ منورہ اور اس کے قُرب و جوار کی سرسبز و شاداب وادی کی کُھلی فضائوں میں رہائش پذیر ہوگئے۔ یہ لوگ گزشتہ پانچ سو برسوں سے نبی آخر الزماں صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کو خوش آمدید کہنے کے منتظر تھے، لیکن جب اُنھیں اس بات کا علم ہوا کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کا ظہور ''بنی اسماعیل'' میں ہوا ہے، تو یہ لوگ مسلمانوں کے جانی دشمن ہوگئے۔ (سیرت رحمۃ للعالمین، 232/2)۔

یثرب آنے والے اوّلین یہودی قبائل: یثرب میں نقل مکانی کرنے والے اوّلین یہودی قبائل بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع تھے۔ یہ لوگ زراعت و باغ بانی پر دسترس رکھتے تھے۔ چناں چہ انھوں نے یہاں کی زرخیز سرزمین سے استفادہ کرتے ہوئے زراعت و باغ بانی کو بڑے پیمانے پر فروغ دینے کے ساتھ شہر کے اطراف تمام اہم مقامات پر قبضہ کرکے بڑے بڑے مکانات اور قلعے تعمیر کرلیے۔ (کتاب الاغانی، 95/19)۔

شہرِ مآرب کی تباہی: علّامہ ابنِ کثیر لکھتے ہیں کہ ملک یمن کے دارالحکومت صنعاء سے 60 میل کے فاصلے پر ایک شہر مآرب تھا۔ جہاں ایک نام وَر قوم ''سبا'' آباد تھی۔ دو پہاڑوں کے درمیان آباد اس شہر میں عموماً بارش کے دنوں میں پہاڑوں سے آنے والا سیلابی پانی تباہی و بربادی مچادیا کرتا

تھا۔ چناں چہ شہر کے بادشاہوں، خاص طور پر ملکہ بلقیس نے ان دو پہاڑوں کے درمیان ایک نہایت مضبوط و مستحکم بند تعمیر کروایا اور بارش اور سیلاب کے پانی کو دونوں پہاڑوں کے درمیان روک کر پانی کا ایک عظیم الشّان ذخیرہ بنادیا۔

جس کے بعد یہاں سے پورے شہر کو پینے اور زراعت و باغ بانی کے لیے وافر مقدار میں پانی مہیّا کیا جانے لگا، جو پورے شہر میں شادابی و خوش حالی کا باعث بنا، لیکن جب قومِ سبا نے اللہ کی نافرمانی اور سرکشی کی، تو اللہ تعالیٰ نے پانی کے اس عظیم الشّان بند پر اندھے چوہے مسلّط کردیئے، جنہوں نے بند کی بنیادوں کو کھوکھلا اور کم زور کردیا۔ چناں چہ بارش کے دنوں میں جب سیلاب آیا، تو کم زور بنیادوں کی وجہ سے بند ٹوٹ گیا اور پانی کے اس عظیم ذخیرے نے پورے شہر مآرب کو تباہ و برباد کردیا۔ (معارف القرآن، 7/281)۔

معروف مذہبی اسکالر، ڈاکٹر اسرار احمد تحریر فرماتے ہیں کہ ''قومِ سبا'' پر سیلاب کے عذاب کا واقعہ حضور ﷺ کی ولادتِ باسعادت سے تقریباً سوا سو سال قبل، یعنی 450 عیسوی کے لگ بھگ پیش آیا۔ بند ٹوٹنے کی وجہ سے علاقہ مکمل طور پر تباہ ہوگیا، جو لوگ زندہ بچے، وہ عراق اور عرب کے دوسرے علاقوں میں ہجرت کرگئے۔ قبیلۂ اوس اور خزرج نے یثرب کی جانب نقل

مکانی کی۔ (بیان القرآن، 73/6)۔ اوس اور خزرج کا تعلق یمن کے مشہور قبیلے ''قحطان'' سے تھا۔ قحطان یمنی باشندوں کا جدّ اعلیٰ ہے۔ ابنِ ہشام لکھتے ہیں کہ تمام کے تمام عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام اور قحطان کی اولاد میں سے ہیں۔یمن کے لوگوں کا کہنا ہے کہ قحطان حضرت اسماعیل علیہ اسلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اسی لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ''ابوالعرب'' کہا جاتا ہے۔ (سیرت ابنِ ہشام، 1/11)

قبیلہٴ اوس و خزرج کی یثرب آمد

اوس اور خزرج دو بھائی تھے۔ جب ان دونوں بھائیوں کی نسل بڑھی، تو انہوں نے اپنے ناموں سے الگ الگ قبیلے بنا لیے۔ مآرب کی تباہی کے بعد دونوں قبائل یمن سے ہجرت کرکے یثرب پہنچے، جہاں اُن کا واسطہ صاحبِ ثروت یہودیوں سے پڑا۔ مال و دولت کی فراوانی نے انہیں عیاش، ظالم اور سفّاک بنادیا تھا۔ اوس و خزرج، یثرب کے غیر آباد علاقے میں رہائش پذیر تھے۔

اُدھر یہود کو ایسے افراد کی ضرورت تھی، جنھیں وہ اپنے زرعی کاموں میں استعمال کرسکیں، چناں چہ یہود نے اُن قبائل کے لوگوں کو کاشت کاری کے لیے استعمال کیا۔ اوس و خزرج کے لوگوں نے ان کے باغات اور زراعت کے فروغ کے لیے محنت اور جاں فشانی سے کام کیا، جس کی بِنا

پر ان کے مالی حالات بھی بہتر ہونے شروع ہوگئے۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب یثرب سے شام تک تمام سرسبز و شاداب بستیوں اور نخلستانوں پر یہود کا قبضہ تھا۔

خیبر، تبوک القریٰ، حجر، مدین اور تیما کے نخلستان، باغات اور کھیت و کھلیان پر یہود قابض تھے اور تجارت، زرگری، سودی لین دین سمیت عرب کی پوری معیشت اُن کے ہاتھوں میں تھی۔ (ارض القرآن، 315,314)۔ یہودیوں کی خاص بات یہ تھی کہ وہ اپنے بچّوں کو توریت کی تعلیم لازمی دلواتے تھے۔ دین سے بہرہ وَر کرنے کے لیے انھوں نے پورے یثرب میں ''بیت المدارس'' کے نام سے علمی درس گاہوں کا ایک جال بچھادیا تھا۔ تاہم، یہ الگ بات ہے کہ وہ اس تعلیم کے برعکس عمل کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، جلد2، حدیث، 1027)۔

یثرب کا اقتدار اوس و خزرج کے حوالے: مال و دولت کی کثرت نے یہودیوں کو عیّاش و بدکار بنا دیا تھا۔ اوس و خزرج کی خواتین کی عزّت و ناموس سے کھیلنا اُن کا محبوب مشغلہ تھا۔ فحاشی و عریانی عام ہوچکی تھی۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جارہے تھے۔ ایسے میں اوس و خزرج کے سردار مالک بن عجلان نے اپنے عم زاد، ملکِ غسان کے بادشاہ ابو جبیلہ بن جفتہ بن عمرو سے مدد طلب کی۔ ''غسان'' یثرب اور شام کے درمیان ایک ریاست تھی۔ شاہِ

غسان نے اپنے عم زاد کی مدد کے لیے جنگجوؤں کا ایک بڑا لشکر یثرب کی جانب روانہ کیا۔ اس لشکر نے یہود کے تمام سرکردہ افراد کو قتل کرکے چند ہی دنوں میں یہود کی شان و شوکت خاک میں ملانے کے بعد یثرب کا اقتدار اوس و خزرج کے حوالے کردیا۔ (مدینۂ منورہ، ماضی حال کے آئینے میں، احمد محمد شعبان، صفحہ15)۔

اوس و خزرج کا عروج، جنگِ بعاث: بعاث، مدینۂ منورہ کے قریب بنی قریظہ کے علاقے میں ایک جگہ تھی، جہاں قبیلۂ اوس اور خزرج ایک عرصے تک امن و سکون، اتحاد و اتفاق سے زندگی گزار رہے تھے، لیکن یہودی اپنی فطرت سے مجبور تھے۔ ناشکری، نافرمانی، بدعہدی، منافقت، دھوکا دہی، حسد، جھوٹ، فریب، فساد جیسی برائیاں اُن کے خمیر میں شامل تھیں۔ بظاہر خاموش طبع اور پُرامن تھے، لیکن باطن میں خباثت بھری تھی۔ انہیں اوس و خزرج کا اتحاد اور یثرب میں امن و سُکھ چین ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔

بالآخر وہ اپنی کوششوں میں کام یاب ہوئے اور اوس و خزرج کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرواکر جنگ کے ایسے شعلے بھڑکائے کہ اوس و خزرج کے تقریباً تمام نام وَر سردار اس میں لڑبھڑ کر مرگئے۔ دونوں قبائل کے درمیان یہ خوں ریز جنگ ایک سوبیس سال تک چلتی رہی۔ جس نے

دونوں خاندانوں کو تباہ و برباد کردیا۔ دونوں طرف کا کوئی سرکردہ فرد زندہ نہ بچا۔ (سیرتِ سرورِ عالمؐ، 3/89)۔

ایمان کی خوشبو یثرب کی فضائوں میں:

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ''آنحضرت ﷺ نے جب ہجرت فرمائی تو اُس وقت انصار میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی۔ تمام سردار قتل ہو چکے تھے۔ اس میں اللہ کی یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ انصار اسلام قبول کرلیں۔'' (صحیح بخاری، 3930)۔ بعثت کے گیارھویں سال ایک تاریک رات میں اللہ کے نبی ﷺ وادی عقبہ کی گھاٹی کے پاس سے گزر رہے تھے کہ آپ ؐ کو باتوں کی آواز آئی۔ آپؐ اُن کے پاس پہنچے اور دریافت کیا کہ ''کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟'' انھوں نے جواب دیا کہ ''ہم یثرب سے آئے ہیں اور قبیلۂ خزرج کے لوگ ہیں۔''

حضور ﷺ اُن پاس ہی بیٹھ گئے، انہیں اسلام کی تعلیم سے آگاہ کیا اور قرآن کریم کی تلاوت فرمائی۔ یہ لوگ تعداد میں چھے تھے۔ اللہ کا کلام سُن کر آپس میں بولے ''ارے یہ تو وہی نبیؐ ہیں۔ جن کی آمد کا یہودی شدّت سے انتظار کر رہے ہیں اور جن کا تکیہ کلام ہی یہ ہے کہ ''جس کا دل

چاہے، ہم پر مظالم ڈھالے، ہمارا نبیؐ آنے والا ہے۔ ہم ان سب ظالموں سے بدلہ لینے والے ہیں۔'' اب کہیں ایسا نہ ہو کہ یہودی ہم پر سبقت لے جائیں''

اس کے بعد انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے اسلام قبول کرلیا اور یثرب واپس جا کر لوگوں کو اسلام کی آگاہی دینی شروع کردی۔ (تاریخِ اسلام، 1/113)۔ پھر ذی الحجہ 12 نبویؐ بمطابق جولائی 621 عیسوی حج کے موقعے پر یثرب سے 12 افراد مکّہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ حج کے اختتام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو پہلا سفیر بنا کر ان لوگوں کے ساتھ یثرب روانہ کیا، تاکہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں۔ (صحیح بخاری، 3924,3925, 4941)۔یہ ملاقات بیعت عقبہ اولیٰ کہلاتی ہے۔

باب نمبر 3

بیعتِ عقبہ ثانیہ

موسمِ حج میں نبوت کے تیرہویں سال جون 622 عیسوی کو فریضۂ حج کے لیے یثرب سے 72 مرد اور 2 عورتیں مکّہ مکرّمہ آئیں۔ آپؐ نے اُن سے 12 ذی الحجہ کو وادیٔ منیٰ میں عقبہ کی گھاٹی کے پاس رات کے وقت ملاقات فرمائی۔ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ ساتھ تھے۔ حضرت عباسؓ تب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی ذمّے داری اُن کے کاندھوں پر تھی۔ اُنھیں جب یثرب کے ایک بڑے وفد کے آنے اور آنحضرت ﷺ سے ملاقات کا عِلم ہوا، تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو تنہا نہیں جانے دیا، بلکہ اُن کے ساتھ خود تشریف لے گئے۔

یثرب کے لوگوں نے آپؐ سے درخواست کی کہ یثرب تشریف لائیں، وہاں ہم اللہ کے دین کو پھیلانے میں آپؐ کی مدد کریں گے۔ اس موقعے پر سب سے پہلے حضرت عباسؓ نے اُن کی دعوت کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ''اے خزرج کے لوگو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنی

قوم اور اپنے شہر میں عزّت و احترام سے محفوظ ہیں۔ ہم ابنِ ہاشم اور ابنِ مطلب اُن کی حفاظت کے ذمّے دار ہیں۔

اب اگر تم لوگ انہیں اپنے پاس مدعو کرنے پر مُصر ہو، تو کیا تم اُن کی حفاظت کی ذمّے داری اٹھانے پر تیار ہو؟ اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس وقت یہ ممکن نہ ہو سکے گا، تو پھر بہتر یہی ہے کہ یہ اپنے شہر میں اپنے لوگوں کے درمیان رہیں، جہاں یہ بہرحال محفوظ ہیں۔'' حضرت عباسؓ کی گفتگو سُن کر حضرت کعبؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپؐ ہم سے جو عہدوپیماں چاہتے ہیں۔ ہم اس کے لیے حاضر ہیں۔'' حضورِ اکرم ﷺ نے تلاوتِ کلامِ پاک سے اپنی گفتگو کا آغاز فرمایا، پھر اُن سب کو اسلام کی دعوت دی۔ (سیرت ابنِ اسحاق، صفحہ325)۔

بیعت کے مندرجات: حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ! ہم کس بات پر آپؐ سے بیعت کریں؟'' آپؐ نے فرمایا ''اس پر کہ ہر حال میں میری اطاعت کروگے، تنگی ہو یا خوش حالی، اللہ کی راہ میں دل کھول کر خرچ کروگے، نیکی اور بھلائی کو عام

کروگے اور بُرائی سے روکو گے، اللہ کی راہ میں حق بات کہو گے، اور اس کی راہ میں اٹھ کھڑے ہوگے، کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا کروگے، نہ ڈرو گے، جب میں تمہارے پاس آجائوں، تو میری مدد کروگے اور میری حفاظت بھی اس طرح کروگے، جس طرح اپنے اہلِ خانہ کی کرتے ہو، اور اس کے بدلے اللہ نے تمہارے لیے جنّت رکھی ہے۔'' (سیرت سرورِ عالم، 2/704)۔

جنگجو باپ، دادا کی اولاد: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سُن کر یثرب کے ایک نوجوان، حضرت براءؓ بن معرور نے محبّت بھرے جذبات سے مغلوب ہوکر آپؐ کا ہاتھ تھاما اور عرض کیا ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! آپؐ ہم سے بیعت لیجیے۔ ہم آپؐ کی حفاظت اپنے بال بچّوں سے بڑھ کر کریں گے۔ خدا کی قسم ! ہم جنگجو باپ دادا کی اولاد ہیں۔ جنگوں کے درمیان پلنے والے بیٹے ہیں، جنگ ہمارا کھیل اور ہتھیار ہمارا کھلونا ہیں۔'' اس موقعے پر ابوالہیثم بن تیہان نے کہا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ہمارے اور یہود کے درمیان عہد وپیماں ہیں۔

اب ہم یہ سب توڑنے جارہے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ اللہ جب آپؐ کو غلبہ عطا فرمادے گا، تو آپؐ ہمیں چھوڑ کر واپس اپنی قوم اور اپنے شہر میں چلے جائیں گے۔'' نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسّم

فرماتے ہوئے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا ''نہیں، بلکہ اب خون کے ساتھ خون اور قبر کے ساتھ قبر ہے۔ اب میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو۔ جس سے تم لوگ جنگ کرو گے، اُس سے میں جنگ کروں گا۔ جس سے تم صُلح کرو گے، اُس سے میں صُلح کروں گا۔'' اس پر سب نے نہایت رضا و رغبت کے ساتھ بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ (سیرت ابنِ اسحاق، ص 326)۔ حضرت عباسؓ محفل میں موجود تھے، وہ فرماتے ہیں کہ ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کی سعادت سب سے پہلے حضرت اسعدؓ بن زرارہ کو نصیب ہوئی۔ پھر براءؓ بن معرور اور پھر اسیدؓ بن حضیر نے حاصل کی۔ (رحمۃ للعالمین، 183/1)۔

بارہ نقباء کا انتخاب: بیعت کی تکمیل کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے بارہ نقیب منتخب فرمائے تھے۔ اب تم لوگ بھی اپنی قوم کے بارہ نقیب چُن لو۔ یہ لوگ اپنی قوم کے تمام معاملات کے نگراں، کفیل اور ذمّے دار ہوں گے۔'' چناں چہ فوری طور پر بارہ نقیب چُن لیے گئے، نو قبیلۂ خزرج اور تین قبیلۂ اوس سے۔ آپؐ نے ان نقیبوں سے حلف لیا اور سب کو واپس یثرب جانے کی ہدایت فرمادی۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ ''مجھ سے ایک انصاری نے بیان کیا کہ اس موقعے پر حضرت جبرائیل نشان دہی فرماتے جاتے تھے۔'' (زرقانی، 317/1)۔

یثرب کے پہلے انصار قیدی: ابھی انصار منیٰ سے رخصت ہی ہوئے تھے کہ بیعت کی خبر نے قریشِ مکّہ کو غضب ناک کردیا۔ فوری طور پر سواروں کے ایک تیز رفتار دستے کو انصار کے تعاقب میں روانہ کیا گیا۔ دستے میں شامل سب انصار آگے نکل چکے تھے، لیکن سعد بن عبادہؓ اُن کے ہاتھ لگ گئے، لہٰذا اُن کے ہاتھ پاؤں باندھے اور انہیں زدو کوب کرتے ہوئے مکّہ لے آئے۔ یہ خبر مطعم بن عدی اور حارث بن حرب کو پہنچی، تو وہ فوری طور پر جائے وقوع پر پہنچے اور حضرت سعدؓ پر نظر پڑتے ہی چیخ اٹھے، ''قریش کے لوگو ! غضب ہوگیا۔ تم جس شخص کو گرفتار کرکے لائے ہو، یہ انصار کا وہ سردار ہے، جس کی پناہ میں اہلِ مکّہ کے قافلے یثرب سے بحفاظت گزرتے ہیں۔'' یہ جاننے کے بعد اُن لوگوں نے حضرت سعدؓ کو اونٹ پر بٹھا کر یثرب روانہ کردیا۔ (سیرت ابنِ ہشام، 66/2)۔

یثرب سے مدینہ منورہ.....چند ایمان افروز یادیں

مکّہ سے یثرب تک کا 13 سالہ جان گسل سفر کفار کے ظلم و ستم اور تلواروں کے سائے میں عبور کیا گیا۔ اس طویل اور پُر کٹھن سفر کے دوران آنحضرت ﷺ اور اُن کے رفقاء نے خود کو

جان جوکھوں میں ڈال کر بے سرو سامانی کی حالت میں آگ و خون کا دریا عبور کیا اور ایک ان جان و بیمار سرزمین پر قدم فرما ہوکر اُسے ایک پُربہار، بابرکت اور ایمان افروز اسلامی ریاست میں تبدیل کردیا۔ پھر جہاں سے نمودار ہونے والی نبوت کی نورانی شعاؤں نے دنیا کو ایک عظیم اسلامی انقلاب سے ہم کنار کرکے عزم و ہمّت، عمل و بیداری کی ایک عظیم، لازوال مثال قائم کی۔

اَن جان راہوں کے مسافر: قدرت کے فیصلے انسانی سوچ سے ماورا ہوتے ہیں، جو تاریخ کے صفحات پر نقش ہوکر نوعِ انسانی کے لیے تاحیات فلاح و نجات کا باعث بنتے ہیں، قوموں کو بے داری کی امنگ، زندگی گزارنے کا ڈھنگ اور عزم و استقلال کا درس دیتے ہیں، شہر کو خیر و فلاح کا داعی، حق و سچّائی کا علَم بردار بناتے ہیں اور باطل قوتوں سے ٹکرا جانے کا حوصلہ پیدا کرتے ہیں۔ ایسا ہی ایک فیصلہ قدرت نے اہلِ یثرب کے ساتھ کیا اور سرزمینِ یثرب کو کفر و جہالت کے لق و دق صحرا میں پہلی اسلامی ریاست کے عظیم منصب کے لیے منتخب فرمایا۔

مکّہ مکرّمہ، اللہ ربّ العزت کا پسندیدہ ترین شہر ہے، جسے ربِ کعبہ نے قرآن میں مختلف ناموں سے یاد فرمایا۔ مکّہ مکرّمہ، بیت المعمور کے سائے میں اللہ کا پہلا گھر، نبی آخر الزماںؐ کی جائے پیدائش...

لیکن جب اس شہر کے باسیوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو ستانا اور شیطان کے پیروکار بن کر ظلم و بربریت کے پہاڑ توڑنا شروع کیے اور جن اذیّتوں سے انبیائے سابقین گزرے، اُن سب کا کوہِ گراں ایک درِّ یتیم اور اُن کے رفقاء کے سَروں پر ڈھادیا۔ اپنے ہم وطن، اپنے قبیلے اور اپنے خاندان کے لوگ ہی خون کے پیاسے ہو گئے... تو ربّ ذوالجلال کے حکم پر یثرب سے آنے والی مشک بار ہوائوں کے جھونکوں نے کفرو الحاد کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں اُمیدوں کے چراغ جلادیئے۔

یثرب سے توحید کی فضلِ بہار نے اہلِ ایمان کو محبّتوں کے سندیسے بھیجے اور اپنے شہر، گھر اور اپنی بانہوں کو اہلِ مکّہ کے لیے وَا کردیا۔ پھر اہلِ فلک نے دیکھا کہ حق کے دیوانے راتوں کی تاریکی میں دشمنوں سے چُھپ کر اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر، اپنے پیاروں کو تڑپتا، بچّوں کو بلکتا چھوڑ کر، بے سروسامانی کی حالت میں خالی ہاتھ، پُرنم آنکھوں اور اُداس دل کے ساتھ اَن جان راہوں کی جانب چل دیئے کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا یہی حکم تھا۔

یثرب کی جانب پہلی ہجرت:

آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی اور پھوپھی برّہ بنت عبدالمطلب کے صاحب زادے حضرت ابو سلمہؓ یثرب ہجرت کرنے والے پہلے صحابی تھے۔ اُن کے قبیلے بنو مخزوم نے اُن پر ظلم و ستم کے جو پہاڑ توڑے، ان سے متعلق سُن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چناں چہ

حضوراکرم ﷺ کی اجازت سے ایک صبح اپنی اہلیہ اور کم سِن بچّے کے ساتھ اونٹ کی نکیل پکڑ کر خاموشی سے یثرب کی راہ چل دیئے۔ اُن کی پہلی ہجرت حبشہ کی جانب تھی۔ ابنِ اسحاق کے مطابق، یثرب ہجرت کا واقعہ بیعتِ عقبہ ثانیہ سے ایک سال پہلے کا ہے۔ (سیرتِ ابنِ ہشام، 2/81) بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد حضرت مصعبؓ اور ابن امِ مکتومؓ نے مدینے میں اسلام کے لیے بے پناہ خدمات انجام دیں۔

حضرت امِّ سلمہؓ کی داستانِ ہجرت: حضرت امِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ''مَیں اور میرا بچّہ سلمہ اونٹ پر سوار تھے، جب کہ میرے شوہر اونٹ کی نکیل پکڑے یثرب کی جانب محوِ سفر تھے کہ اچانک میرے میکے ''بنو مغیرہ'' کے چند مسلّح نوجوانوں نے ہمارا راستہ روک لیا۔ اُن میں سے ایک نے ابو سلمہؓ سے اونٹ کی نکیل چھینی اور بولا ''ابو سلمہؓ، کدھر کا ارادہ ہے؟'' ابو سلمہؓ نے جواب دیا ''ہم یثرب جارہے ہیں۔''نوجوان نے سخت لہجے میں پوچھا ''لیکن تم بنو مغیرہ کی لڑکی کو کیوں لے جارہے ہو؟'' ابو سلمہؓ نے کہا ''یہ میری اہلیہ ہیں۔ تم لوگوں نے اُن کا نکاح مجھ سے کیا ہے۔'' نوجوان سختی سے بولا ''کچھ بھی ہو، تم اسے نہیں لے جا سکتے۔'' یہ کہہ کر اُن لوگوں نے اونٹ کا رُخ مکّے کی جانب موڑ دیا۔

بات مکّے میں پھیل چکُی تھی، چناں چہ کچھ ہی دیر میں ابو سلمہؓ کے قبیلے بنو عبدالاسد کے لوگ بھی آگئے اور غصّے سے بولے ''تم نے ہمارے لڑکے سے اپنی لڑکی چھین لی، اب ہم اپنے بچّے کو تمہارے حوالے نہیں کرسکتے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے زبردستی میرے بچّے کو مجھ سے چھین لیا اور میرے روتے بلکتے معصوم بچّے کو ساتھ لے کر چلتے بنے۔ اس کے بعد ابو سلمہؓ مایوسی کی حالت میں تنہا یثرب کی جانب چلے گئے۔'' امِ سلمہؓ کہتی ہیں کہ ''میں روزانہ صبح ابطح پہنچ جاتی، جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا اور شام تک روتے ہوئے اپنے خاندان کے ملنے کی دُعا کرتی رہتی۔

یوں ایک سال کا عرصہ بیت گیا، بالآخر میرے قبیلے والوں کو مجھ پر رحم آگیا۔ دوسری طرف ایک سال سے ماں کی یاد میں معصوم بچّے کی چیخوں سے بنو عبدالاسد بھی عاجز آچکے تھے کہ ان چیخوں نے اُن کے دِلوں کو دہلا دیا تھا اور ان کی عورتوں نے بھی لعن طعن شروع کردی تھی۔ جب انہیں بنو مغیرہ کے فیصلے کا علم ہوا، تو انہوں نے موقع غنیمت جانا اور بچّے کو میرے پاس بھجوادیا۔'' (سیرت ابنِ ہشام، 81,82/2)۔

مشرک سردار امِّ سلمہؓ کا محافظ: امِّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ ایک صبح میرے قبیلے والوں نے ہم ماں بیٹے کو اونٹ پر بٹھا کر یثرب جانے والی شاہ راہ پر چھوڑ دیا۔ یہ زندگی میں میرا پہلا تنہا سفر تھا، اَن

جان اور طویل راستے کی وجہ سے خوف زدہ تھی اور انتہائی پریشان بھی، لیکن مجھے اپنے اللہ پر بھروسا تھا۔ ابھی میری اونٹنی تیغم کے قریب ہی پہنچی تھی کہ اچانک تلوار بردار ایک شخص نے ہمارا راستہ روک لیا۔

اُس نے غور سے میری جانب دیکھا اور گرج دار آواز میں بولا ''اے بنو امیّہ کی بیٹی! تنہا کدھر جارہی ہو؟'' مَیں نے کہا کہ ''مَیں اپنے شوہر کے پاس یثرب جا رہی ہوں۔'' اس نے بارُعب لہجے میں پوچھا'' تمہارے ساتھ تمہارا کوئی رشتے دار کیوں نہیں ہے؟'' میں نے جواب دیا کہ ''اللہ اور اس معصوم کے سوا میرے ساتھ اور کوئی نہیں ہے...'' کچھ لمحوں کی خاموشی ہوئی، تو مَیں نے دیکھا کہ میرے راستے میں مکّہ کا کلید بردار، قریش کے قبیلے بنی عبدالدار کا نامور جنگجو سردار اور مسلمانوں کا جانی دشمن، عثمان بن طلحہ کھڑا ہے، مَیں کانپ اُٹھی۔ ابھی مَیں اپنے اللہ سے اپنی عزّت و عصمت کی حفاظت کی دُعا ہی مانگ رہی تھی کہ اس مشرک سردار کی بھاری آواز گونجی ''خدا کی قسم! اس طویل سفر پر مَیں تمہیں تنہا ہرگز نہیں جانے دوں گا۔''

پھر اُس نے میرے اونٹ کی نکیل تھامی اور چلنے لگا۔'' اِمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ''واللہ! میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف انسان نہیں دیکھا، جب وہ کسی منزل پر پہنچتے، تو میرے اونٹ کو

بٹھا کر الگ ہٹ جاتے۔ اور جب مَیں بچےّ کو لے کر اُتر جاتی، تو وہ اونٹ کو کسی درخت سے باندھ کر دُور کسی درخت کے نیچے لیٹ جاتے، پھر جب چلنے کا وقت آتا، تو اونٹ کو لاکر بٹھاتے اور الگ ہٹ کر کھڑے ہوکر مجھ سے کہتے کہ ''سوار ہوجائو۔'' میرے سوار ہونے کے بعد وہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر روانہ ہوجاتے۔ یثرب تک کا سارا راستہ انہوں نے اسی طرح پیدل طے کیا اور جب قباء کی آبادی پر نظر پڑی، تو مکّے کے اس مشرک سردار نے جُھکی نظروں کے ساتھ انتہائی احترام سے کہا ''اے اُمِّ سلمہؓ! وہ سامنے قباء کی بستی ہے۔

یہاں سے یثرب شروع ہوجاتا ہے۔ میرا اس سے آگے جانا مناسب نہیں۔ اس بستی میں (تمہارے) اللہ کے ماننے والے بہت سے لوگ ہیں۔ تم بے خطر ہو کر چلی جائو۔ آگے جا کر کسی سے بھی عبداللہ ابو سلمہؓ کا پتا پوچھ لینا۔'' عثمان بن طلحہ نے اونٹ کی نکیل میری جانب بڑھائی، میں نے اونٹ کو قباء کی جانب ہانکا اور وہ پیدل مکّہ کو روانہ ہوگئے۔ امِّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ''خدا کی قسم ! میں نے عثمان بن طلحہؓ سے زیادہ پورے عرب میں کوئی نیک اور رحم دل آدمی نہیں دیکھا۔ (تاریخ ابنِ کثیر 169/3، سیرت سرورِ عالمؐ 714,715/2) اس واقعے سے پہلے بیعتِ عقبہ اولیٰ ہوچکی تھی اور حضرت مصعب بن عمیرؓ اور ابنِ امِّ مکتومؓ یثرب میں دین کی تعلیم و تبلیغ میں دن رات مصروف تھے۔ جس کے نتیجے میں بہت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہو چُکے تھے۔

باب نمبر 4

حضرت اُمِّ سلمہؓ حرمِ نبویؐ میں: حضرت اُمِّ سلمہؓ یثرب ہجرت کرنے والی پہلی مسلمان خاتون تھیں۔ اُن کے شوہر ابو سلمہؓ غزوئہ احد میں زخمی ہوئے اور 4ہجری میں انتقال کر گئے۔ اُن کے چار بچّے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچّوں کی پرورش و تربیت اور اُن کی دل جُوئی کی خاطر اُن سے نکاح فرمالیا تھا۔ حضرت اُمِّ سلمہؓ کی وفات 63ہجری میں 84سال کی عُمر میں ہوئی۔ (سیر صحابیات، ص54)۔

سیّدنا فاروق اعظمؓ کی ہجرت کا منفرد واقعہ: مسلمانوں کی مکّہ مکرّمہ سے یثرب کی جانب ہجرت کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک صبح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عُمرؓ بن خطاب کو بھی ہجرت کا حکم فرمادیا۔ صحابہؓ کا خیال تھا کہ حضرت عُمرؓ بھی عام لوگوں کی طرح رات کی تاریکی میں خفیہ طور پر مکّے سے نکلیں گے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ''جب حضرت عُمر فاروقؓ کو ہجرت کا حکم ملا تو آپؓ گھر تشریف لے گئے۔ ایک ہاتھ میں برہنہ تلوار لی، دوسرے میں تیر اور پشت پر کمان لگا کر تنِ تنہا خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے۔ اُس وقت قریش کے قبائل اپنے سرداروں کے ساتھ صحنِ کعبہ میں موجود

تھے۔ سیّدنا عُمرؓ نے نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ بیت اللہ شریف کا سات بار طواف کیا، پھر مقامِ ابراہیمؑ پر دو رکعت نفل ادا کیے۔

اُن سے فارغ ہو کر دوبارہ ہاتھ میں برہنہ تلوار لی اور سردارانِ قریش کے پاس تشریف لے جاکر نہایت بارُعب اور گرج دار آواز میں کہا ''اے اسلام کے دشمنو! جان لو کہ آج عُمرؓ مکہ سے مدینہ ہجرت کر رہا ہے۔ تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں۔ اللہ تمہاری ناک خاک آلود کرے۔ تم میں سے جو شخص چاہتا ہے کہ اپنی ماں کو اپنے پیچھے روتا چھوڑے، اپنی بیوی کو بیوہ بنائے اور اپنے بچّوں کو یتیم کہلوائے، وہ حرم کے باہر مجھ سے نبرد آزما ہو جائے اور مجھے یثرب جانے سے روک دے''۔

سیّدنا علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ ''حضرت عُمرؓ کے رُعب و دبدبے، ہیبت و جلال کا یہ عالم تھا کہ قریش کے سرداروں میں سے کسی ایک کی بھی اتنی ہمّت نہ ہوئی کہ وہ آپؓ کو روکتا۔ البتہ کچھ کم زور مسلمان ضرور ہجرت کی غرض سے اُن سے آملے۔'' اس طرح سیّدنا عمر فاروقؓ کی رہنمائی میں بیس افراد پر مشتمل یہ قافلہ یثرب کی جانب روانہ ہوگیا۔ (تاریخ الخلفا، علّامہ جلال الدین سیوطی، صفحہ 141)۔

کیا گزری راہِ حق کے دیوانوں پر

عیاش بن ابی ربیعہ کی سرگزشت: ابنِ اسحاق نے صحیح سند کے ساتھ خود حضرت عُمرؓ کا بیان نقل کیا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ "مَیں نے عیاشؓ بن ابی ربیعہ اور ہشامؓ بن العاص بن وائل سے یہ طے کیا تھا کہ وہ دونوں مکّے سے دس میل دُور "تناضِب" کے مقام پر ہم سے آملیں گے، اور جو بھی وقتِ مقررہ پر وہاں نہ پہنچے گا، اس کے متعلق سمجھ لیا جائے گا کہ وہ پکڑا گیا اور باقی لوگ اُس کا انتظار کیے بغیر آگے روانہ ہوجائیں گے۔ ہشام مکّے ہی میں پکڑ لیے گئے، جب کہ عیاشؓ ہمارے ساتھ مدینہ پہنچ گئے۔ پیچھے پیچھے ابوجہل بن ہشام اور حارث بن ہشام بھی مدینہ آ گئے۔

یہ دونوں سگے بھائی تھے۔ اُن کے والد ہشام بن مغیرہ کے انتقال کے بعد اُن کی والدہ نے ہشام کے بھائی ابو ربیعہ بن مغیرہ سے نکاح کرلیا تھا، جن سے عیاشؓ پیدا ہوئے۔ اس طرح عیاشؓ اُن کے ماں جائے بھی تھے اور چچازاد بھائی بھی۔ ان دونوں نے پوری مکّاری کے ساتھ یہ کہہ کر عیاشؓ کو رام کرلیا کہ "اماں جان نے قسم کھالی ہے کہ جب تک تمہیں دیکھ نہ لیں، سر میں کنگھی کریں گی، نہ دھوپ سے سائے میں جائیں گی۔" سیّدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے عیاشؓ کو بہت

سمجھایا کہ یہ دونوں تمہیں دھوکے سے پھانس کر اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ اُن کے فریب میں نہ آئو۔ تمہاری ماں کو جب جوئیں ستائیں گی تو آپ ہی کنگھی کریں گی اور جب مکّے کی گرمی برداشت نہ ہوگی، تو خود ہی سائے میں چلی جائیں گی۔ مگر عیاشؓ پر ماں کی محبت غالب تھی۔ مجھ سے کہنے لگے کہ مَیں بس ماں کی قسم پوری کروں گا اور اپنا مال لے کر واپس آجائوں گا۔'' میں نے کہا کہ ''مَیں اپنا آدھا مال تمہیں دیتا ہوں، تم اُن کے ساتھ نہ جائو۔'' مگر وہ نہ مانے۔ آخر میں نے کہا ''اچھا، اگر تمہیں جانا ہی ہے، تو میری اونٹنی لے جائو۔ یہ بہترین اونٹنی ہے۔ اسے ہرگز نہ چھوڑنا۔ جب اُن دونوں کی نیّت خراب ہو، تو فوراً اس پر بھاگ نکلنا۔'' یہ بات اُنہوں نے مان لی۔ راستے میں ایک جگہ ابوجہل نے اُن سے کہا ''بھیّا! میرا اونٹ کچھ ٹھیک نہیں چل رہا، تم اپنی اونٹنی پر مجھے بٹھالو؟''۔

عیاشؓ نے کہا ''جی ضرور۔'' پھر دونوں زمین پر اُترے، تاکہ ابوجہل اپنے اونٹ سے عیاشؓ کی اونٹنی پر بیٹھ سکے۔ حارث بھی اپنا اونٹ بٹھا کر نیچے اُتر آیا اور دونوں نے مل کر عیاشؓ کو باندھ لیا۔ ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ عیاشؓ بن ابی ربیعہ کے خاندان والوں نے مجھے بتایا کہ ابوجہل اور حارث، عیاشؓ کو لیے ہوئے اس حال میں دن دہاڑے مکّے پہنچے کہ وہ رسّیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور دونوں بھائی اعلان کرتے جارہے تھے کہ ''اے اہلِ مکّہ! اپنے اپنے نالائق بھگوڑوں کو اس طرح سیدھا کرو، جس طرح ہم نے کیا ہے۔'' (سیرتِ سرورِ عالم، 2/171)۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت میں سر کٹانے کو تیار ہیں

ابنِ ہشام تحریر کرتے ہیں کہ رسول ﷺ جب ہجرت فرما کر یثرب تشریف لائے، تو ایک دن آپؐ نے صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''کون ہے جو میرے لیے ہشامؓ بن عاص اور عیاشؓ بن ابی ربیعہ کو کفارِ مکّہ کی قید سے چھڑوا کر لائے؟'' دراصل حضور ﷺ کو ان دونوں پر ڈھائے جانے والے تشدّد و بربریت کی خبریں تواتر سے مل رہی تھیں اور آپؐ اُن دونوں کے لیے فکرمند تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے بعد مجلس میں سے خالدؓ بن ولید کے بھائی ولیدؓ بن ولید اُٹھے اور عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ ! مَیں اس کام کے لیے حاضر ہوں۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لیے دُعا فرمائی اور وہ خفیہ طور پر مکّہ روانہ ہو گئے۔

مکّہ پہنچ کر ولیدؓ دونوں کی قید کی جگہ کا پتا لگانے میں مصروف ہو گئے۔ کچھ دن بعد اللہ نے اُن کی مدد فرمائی اور انہیں اُس عورت کا سراغ ملا کہ جو روزانہ نہایت رازداری کے ساتھ ایک بند کمرے میں دو آدمیوں کا کھانا پہنچانے کا کام سرانجام دے رہی تھی۔ حضرت ولیدؓ نے دیکھا کہ یہ بغیر چھت کی اونچی چار دیواری تھی، جہاں سایہ نام کو نہیں تھی۔ یوں مکّہ کی سخت تپتی دھوپ بھی اُن دونوں حق کے دیوانوں کی سزا کا ایک حصّہ تھی۔ راوی لکھتا ہے کہ اُن کی ماں نے بھی اُن سے کہا کہ ''آباؤ اجداد کے دین پر واپس آجاؤ، تو خاندان کی پوری دولت تمہارے حوالے کردی جائے گی۔''

لیکن توحید کے متوالے عیاشؓ کا جواب تھا ''ماں! تیری محبّت نے سلاخوں کے پیچھے قید میں ڈال دیا، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت میں سَر کٹانے کو بھی تیار ہوں۔''

حضرت ولیدؓ چُھپ کر رات گہری ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ پھر دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے۔ دونوں کے ہاتھ پائوں کی بیڑیاں کاٹیں اور نہایت خاموشی کے ساتھ دونوں کو اونٹنی پر بٹھا کر برق رفتاری سے مدینے کی جانب روانہ ہوگئے۔ صبح جب ابوجہل کو اس کا علم ہوا، تو اُس نے گھڑ سوار جنگجو اُن کے تعاقب میں روانہ کیے۔ اس سے پہلے کہ قریش جنگجو اُن تک پہنچتے، وہ تینوں آندھی طوفان کی طرح فاصلہ طے کرتے ہوئے شہرِ نبیؐ میں داخل ہوگئے۔ (سیرت ابنِ اسحاق،337-338)۔

حضرت عبداللہ بن سہیلؓ کی ہجرت: جو لوگ ہجرت سے زبردستی روکے گئے تھے، اُن میں سے ایک حضرت عبداللہ بن سہیلؓ بن عمرو بھی تھے۔ وہ مدینہ ہجرت کی خبر سُن کر حبشہ سے آئے تھے، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نئے دارالہجرت چلے جائیں، لیکن اُن کے مشرک والد کو اُن کے ارادوں کا عِلم ہوگیا۔ انہوں نے عبداللہ بن سہیلؓ کو زبردستی روک کر گھر میں قید کردیا۔

حضرت عبداللہؓ نے اس کا حل یہ نکالا کہ والد سہیل بن عمرو کو یہ اطمینان دلایا کہ وہ دوبارہ اپنے آبائو اجداد کے دین پر پلٹ آئے ہیں۔

والد کو اطمینان ہوگیا کہ بیٹا راہِ راست پر آگیا ہے۔ جب جنگِ بدر ہوئی، تو سہیل بن عمرو بیٹے کو بھی کفارِ مکّہ کی فوج کے ساتھ میدانِ جنگ میں لے گیا۔ حضرت عبداللہؓ ایک عرصے سے ایسے ہی کسی موقعے کی تلاش میں تھے، چناں چہ جب بدر کے میدان میں دونوں فوجیں آمنے سامنے صف بستہ ہوئیں، تو وہ قریش کی فوج سے نکل کر مسلمانوں کی صف میں جا کھڑے ہوئے۔ ٹھیک چھے سال بعد فتحِ مکّہ کے موقعے پر اُن کے والد مسلمان ہوئے، تو اُن کا کہنا تھا کہ اللہ نے میرے بیٹے عبدؓاللہ کے ایمان میں میرے لیے بہت بڑی خیر رکھ دی تھی ۔(سیرتِ سرور عالمؐ، جِلد 2 صفحہ718)۔

صہیبؓ نے نفع کا سودا کیا، ارشادِ نبویﷺ

حضرت صہیبؓ کا اصل وطن موصل تھا۔ جہاں اُن کے والد سنان بن مالک کسریٰ کی طرف سے شہر اُبلہ کے حاکم تھے۔ ابھی یہ کم سِن تھے کہ رومیوں نے اُبلہ پر چڑھائی کردی اور تمام مال و اسباب کے ساتھ اس معصوم کو بھی ساتھ لے گئے۔ چناں چہ وہ روم میں پلے بڑھے روایت میں

ہے کہ ایک عرب نے انہیں خریدا اور مکّہ لے آیا۔ یہاں عبد اللہ بن جوعان نے اُنھیں خرید کر آزاد کردیا۔ یہ اوّلین مسلمانوں میں سے تھے۔ مکّہ میں اُن کے مالی حالات بہت بہتر ہو گئے تھے، لیکن اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اہلِ مکّہ نے انہیں شدید ترین اذیّت و تشدّد کا نشانہ بنایا، جس سے وہ کچھ عرصے تک اپنے حواس کھو بیٹھے تھے۔

مدینہ ہجرت کے وقت قریش نے انہیں راستے میں پکڑلیا، چناں چہ اپنی جاں بخشی کے عوض انہوں نے اپنا تمام مال و اسباب اور کُل پونجی اُن کے حوالے کردی اور ہاتھ جھاڑ کر راہِ خدا پر نکل کھڑے ہوئے۔ حضورؐ کو اس کی خبر ملی، تو فرمایا ''صہیبؓ نے نفع کا سودا کیا۔'' (سیرت النبیؐ، 1/149)۔

اللہ کے نبیؐ جانبِ دارالہجرت

سراقہ کے گھوڑے کا زمین میں دھنسنا: سراقہ بن مالک بن جعشم، قبیلہ بنی مدلج کا رئیس اور قریش کا ایک مشہور جنگجو تھا۔ اُس کا بیان ہے کہ ''آنحضرت ﷺ کے مکّے سے ہجرت کرنے

کے بعد ابو جہل نے اعلان کیا کہ ''جو شخص محمد ﷺ کو پکڑ کر لائے گا، اُسے 100 سُرخ اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔'' بہت سے لوگوں کی طرح مَیں بھی اس بھاری انعام کے لالچ میں سرگرداں تھا۔ مجھے خبر ملی کہ چند آدمی ساحل کے ساتھ ساتھ جاتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔

چناں چہ میں اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا اُن کے قریب پہنچ گیا۔ یہاں تک کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی تلاوتِ کلام پاک کی آواز صاف سُنائی دینے لگی۔ ابھی میں حملے کے لیے اُن پر جھپٹا ہی تھا کہ اچانک میرے گھوڑے کے اگلے دونوں پائوں گُھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور مَیں نیچے گر پڑا۔ پھر جلدی سے اٹھا اور کئی بار آگے بڑھنے کی کوشش کی، لیکن ہر بار ناکام رہا۔ میں سمجھ گیا اُن کی حفاظت اللہ کی منشاء ہے، چناں چہ اپنا ارادہ ترک کیا اور اسلحہ پھینک کر خالی ہاتھ حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر معافی کا طلب گار ہوا۔

پھر میں نے اپنی سواری اور زادِ راہ دینا چاہا، لیکن آپؐ نے قبول نہیں فرمایا۔ صرف اتنا حکم فرمایا کہ ''اے سراقہ! ہمارے بارے میں راز داری سے کام لینا۔'' مَیں نے عرض کیا، ''حضور ﷺ مجھے پروانۂ امن لکھ دیں۔'' آپؐ نے عامرؓ بن فہیرہ کو حکم دیا۔ چناں چہ میں وہ پروانہ لے کر واپس ہوگیا۔ (صحیح بخاری حدیث، 3906)۔ راستے میں جو لوگ آنحضرت ﷺ کی

تلاش میں اس طرف آتے تو میں کہتا، ''اِدھر تو میں دیکھ چکا ہوں، تم لوگ کسی اور طرف ڈھونڈو۔'' (صحیح بخاری، حدیث 3615)۔

سراقہؓ اور کسریٰ کے زیورات: سراقہ نے فتحِ مکّہ کے وقت اسلام قبول کیا، تو وہ پروانۂ امن اُس دن اُن کے کام آیا۔ اس موقعے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اے سراقہ! اُس وقت تیری کیا شان ہوگی، جب تُو کسریٰ کے کنگن پہنے گا۔'' اس ارشاد کے چند سال بعد سیّدنا عُمر فاروقؓ کے دَورِ خلافت میں ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے کنگن، تاج اور کمرپٹّا امیر المومنین کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپؓ نے حضرت سراقہؓ کو بلایا اور یہ چیزیں اُنہیں پہنا کر فرمایا ''ہاتھ اٹھائو اور کہو، تعریف ہے، اُس خدا کی جس نے یہ چیزیں اُس کسریٰ بن ہرمز سے چھین لیں، جو یہ کہتا تھا کہ میں لوگوں کا ربّ ہوں اور ان چیزوں کو بنی مدلج کے ایک بدو سراقہ بن مالک بن جعشم کو پہنا دیں۔ (سیرتِ سرورِ عالمؐ، 2/732)۔

اسلام کا پہلا پرچم: قافلۂ حق اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھا کہ راستے میں بریدہ اسلمی ملے۔ وہ بھی اپنے قبیلے کے سردار تھے اور انعام کی لالچ میں اپنے 70 ساتھیوں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں سرگرداں تھے، لیکن جب دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوا، تو دل کی دنیا ہار

بیٹھے، تلواریں قدموں میں ڈالیں اور کلمہ پڑھ کر شریکِ سفر ہو گئے۔ پھر عالمِ شوق میں اپنا عمامہ نیزے سے باندھا اور سفید پرچم لہراتے ہوئے نعرۂ تکبیر کی گونج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جلو میں لیے دارالہجرت کی جانب روانہ ہو گئے۔ (رحمۃ اللعالمینؐ، 1/101)۔

باب نمبر 5

زبیربن عوامؓ سے ملاقات: اسی سفر میں حضرت زبیرؓبن عوام بھی ملے، جو شام کے ایک تجارتی سفر سے واپس آرہے تھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے پھوپی زاد اور حضرت ابوبکرؓ کی صاحب زادی حضرت اسماؓ کے شوہر تھے۔ طویل سفر کے دوران ان مقدّس ہستیوں کے لباس گردآلود ہوچکے تھے، لہٰذا انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور سیّدنا ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں سفید ملبوسات کا ہدیہ پیش کیا۔

(صحیح بخاری، حدیث 3906)

قباء میں تشریف آوری

بروزپیر 8، ربیع الاول 14، نبوی بمطابق 23، ستمبر 622 عیسوی کی دوپہر مقدّس قافلہ قباء میں وارد ہوا۔ اہلِ یثرب کو حضور ﷺ کی روانگی کی اطلاع مل چکی تھی۔ مسلمان ہر روز صبح مکّہ سے آنے والے راستے پر بیٹھ کر انتظار کرتے اور جب دھوپ کی شدّت بڑھ جاتی تو چلے جاتے۔ اُس روز ایک یہودی اپنے گھر کی چھت پر کھڑا تھا کہ اُسے مکّے کے راستے سے ایک قافلہ قباء کی جانب

آتا نظر آیا۔ سفید لباس اور سفید جھنڈا دیکھ کر وہ چیخ کر پکار اٹھا، ''اے یثرب کے لوگو! تمہیں جس بزرگ ہستی کا انتظار تھا، وہ آپہنچی ہے۔'' اعلان سنتے ہی مسلمان دیوانہ وار نعرۂ تکبیر بلند کرتے استقبال کے لیے دوڑ پڑے۔

رسول اللہ ﷺ نے قباء میں بنو عُمرو بن عوف کے رئیس کلثومؓ بن ہدم کے مکان پر قیام فرمایا۔ (صحیح بخاری، حدیث 3906)۔ رسول اللہ ﷺ خاموشی سے تشریف فرما تھے، جب کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کُھلی جگہ پر کھڑے ہو کر لوگوں سے مل رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ انصاری جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہ تھا، وہ حضرت ابوبکرؓ ہی کو سلام کرتے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ پر دُھوپ آگئی اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے آپؐ پر اپنی چادر کا سایہ کیا، تب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو پہچانا۔ (صحیح بخاری، حدیث 3906)۔

اسلام کی پہلی مسجد: رسول اللہ ﷺ قباء میں قیام کے دوران حضرت سعد بن خیثمہؓ کے مکان پر اپنے اصحاب سے گفت و شنید فرمایا کرتے تھے۔ اسی دوران آپؐ نے اسلام کی پہلی مسجد کی بنیاد رکھی، جو آج بھی مسجدِ قباء کے نام سے موجود ہے۔ (رحیق المختوم، ص 240)۔ یہاں دو نفل پڑھنے کا ثواب ایک عُمرے کے برابر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ ہر ہفتے کبھی پیدل اور کبھی سواری پر مسجدِ قباء تشریف لاتے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھتے۔'' (صحیح بخاری، حدیث 1194)۔
حضرت علیؓ بھی مکّہ میں لوگوں کی امانتیں لوٹا کر پیدل ہی حضور ﷺ کے پاس آگئے اور کلثوم بن ہدمؓ کے گھر قیام کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے قباء میں چار دن قیام فرمایا (پیر سے جمعرات تک) روایت میں دس دن اور چوبیس دن قیام کی مدّت بھی تحریر ہے۔ (رحیق المختوم، ص 240)۔

اسلامی تاریخ کی ابتدا: حضرت سہلؓ بن سعد نے بیان کیا کہ تاریخ کا شمار نہ آپؐ کی نبوت سے ہوا اور نہ وفات سے، بلکہ اس کا شمار مدینے کی ہجرت کے سال سے ہوا۔ (صحیح بخاری، 3934) آپؐ نے بارہ ربیع الاول کو ہجرت فرمائی، اس لیے پہلا ہجری سال ساڑھے نو ماہ بعد ختم ہوگیا اور یکم محرم سے دوسرا ہجری سال شروع ہوا۔ (تاریخ اسلام، 132/1)۔

استقبالِ مدینہ کی ایک جھلک: وہ جمعۃ المبارک 12، ربیع الاول 14، نبوی مطابق 27، ستمبر 622 عیسوی کی ایک حسین و دل آویز، روشن اور رُوح پرور صبح تھی۔ سورج کی روشن کِرنوں نے چہار سُو قوسِ قزح کے رنگ بکھیر دیئے تھے۔ نسیمِ سحر کے مشک بُو ہوائوں کے لہلہاتے جھونکوں نے شہرِ جاناں کی فضائوں کو معطّر کر رکھا تھا۔

مدینے کے پہاڑ و صحرا، برگ و شجر، باغ و ثمر، شمس و قمر، جن و بشر، زمین وآسماں، دشت و دریا، چرند، پرند غرض کہ شہر قدس کا پتّا پتّا، بوٹا بوٹا مصروفِ حمد وثناء تھا۔ مدینۂ منوّرہ کے گلی کوچوں، بازاروں، صحرائوں میں یہ فرحت انگیز نوید گونج رہی تھی کہ سرکارِ دو عالم، فخرِ کون و مکاں، سرورِ زمین و زماں، رحمتِ ارض و سماں صلی اللہ علیہ وسلم کا سایۂ عاطفت و شفقت اس شہرِ خوباں پہ جلوہ فگن ہونے کو ہے۔

آقائے دوجہاںؐ کی سواری قباء سے یثرب کی جانب رواں دواں ہے۔ شہرنبیؐ کے پیروجواں، کبیر وصغیر، مرد و زن، بچے حتیٰ کہ اشجار و احجار بھی ہمہ تن چشمِ براہ تھے۔ معصوم بچّے و بچّیاں سرور و انبساط اورفرحت ونشاط میں نغمہ سرا تھے۔ شہرِتاباں کا ہرچہرہ خوشی سے گل نار اور ہر شئے مستی میں سرشار تھی۔ چمنستانِ طیبہ میں جشنِ بہاراں کا سماں تھا۔

عالمِ ارض و سماء نے رنگ ونور سے معمور استقبالِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا رُوح پرور منظر پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ کفار و قریش بد قسمت تھے کہ دنیا کی بادشاہت سے محروم رہے۔یہ عظیم سعادت یثرب کے بیمار و لاغر انصار کے نصیب میں آئی۔ اللہ کے نبیؐ نے مسجدِ قباء میں فجر کی نماز کی

امامت فرمائی اور ''بنو نجار'' کے جنگجو جوانوں کے حصار میں مدینے کی جانب رواں دواں ہوئے۔ (صحیح بخاری، حدیث 3932)۔

مرحبا سیّدِ مکّی مدنی

اہلِ قباء اور بنو عمرو بن عوف کے لوگوں نے محبت و عقیدت کے ساتھ آپؐ کو رخصت کیا۔ راستے میں عقیدت مندوں کا ایک جمِ غفیر تھا، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے گھروں کی چھتوں، درختوں اور راستے کے دونوں جانب صبح سے محوِ انتظار تھا۔ اُن میں وہ یہودی بھی تھے کہ جو گزشتہ پانچ سو برسوں سے نبی آخر الزماں کے منتظر تھے۔ ابھی یہ قافلۂ جانثاراں وادیٔ بطن میں قبیلہ بن سالم بن عوف تک ہی پہنچا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جمعہ کی ادائی کا حکم فرمایا۔ (سیرت، ابن ہشام، جِلد 2، صفحہ 108) آپؐ نے جس جگہ نمازِ جمعہ کی امامت فرمائی تھی اس جگہ آج ''مسجدِ جمعہ'' کے نام سے ایک خوب صورت مسجد قائم ہے، جو مدینے سے قباء جاتے ہوئے بائیں جانب پڑتی ہے۔

نمازِ جمعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر جاری رکھنے کا قصد فرمایا، تو بنی سالم بن عوف کے لوگوں نے ناقہ قصویٰ کی مہار پکڑ کر التجا کی کہ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ہمارا قبیلہ بہت بڑا ہے اور ہم

سب جنگجو لوگ ہیں، ہمارے پاس سامانِ حرب بھی بہت زیادہ ہے اور ہم دفاع کی طاقت بھی خوب رکھتے ہیں۔'' آپؐ نے فرمایا ''میری ناقہ، اللہ کے حکم سے چل رہی ہے، اسے اللہ کی جانب سے جہاں رکنے کا حکم ملے گا، وہی میری قیام گاہ ہوگی۔'' (تاریخ ابنِ کثیر، 193/3)۔

شوقِ دیدارِ مصطفیؐ

نبی برحقؐ کا قافلہ انقلاب جوں جوں قریب آتا جارہا تھا، جاں نثارانِ مصطفیؐ کا جوش و خروش بڑھتا چلا جارہا تھا۔ عشق و محبّت کی آندھی نے جذبات میں ہلچل مچادی تھی۔ شوقِ دیدارِ مصطفیؐ، جنوں میں تبدیل ہوچکا تھا۔ سیّدنا صدیق اکبرؓ سے مروی ہے کہ ''جب ہم مدینہ پہنچے، تو پورا شہر ہمارے استقبال کے لیے سڑکوں پر موجود تھا، چھتوں پر ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ گئے تھے، بازاروں میں خدام و لڑکے نعرے لگاتے پھر رہے تھے، اللہ اکبر... اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔

کچھ یوں پکار رہے تھے ''اللہ کے نبیؐ آگئے، اللہ کے نبیؐ آگئے۔'' (صحیح بخاری، حدیث 3911)۔ حضرت براءؓ بن محازب فرماتے ہیں کہ میں نے اہلِ مدینہ کو کبھی اس قدر خوش نہیں دیکھا، جس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے دن دیکھا۔ (صحیح بخاری، حدیث 4941)۔ اللہ کی قدرت

دیکھیے کہ مکّہ کے اپنے قریش آنحضرت ﷺ سے جتنی شدید دشمنی رکھتے تھے، مدینے کے اجنبی انصار ان سے کہیں زیادہ شدّت سے حضور ﷺ سے محبت کرتے تھے۔ قریش خون کے پیاسے تھے، تو مدینے کے انصار آپؐ پر اپنا خون نچھاور کرنے کو تیار رہتے۔ قریش نے مسلمانوں کو بے گھر و بے آسرا کیا، تو مدینے کے انصار نے اپنا گھر بار، مال و دولت مہاجرین کے حوالے کردیئے۔

انصارِ مدینہ اگرچہ مشرکین مکّہ کی طرح بہت زیادہ صاحبِ ثروت تو نہ تھے، لیکن پھر بھی انہوں نے اپنا تن، من، دھن آنحضرت ﷺ کے قدموں میں ڈھیر کردیا۔ ہر شخص کی خواہش تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ اُس کے گھر قیام فرمائیں، لیکن آپؐ نے اونٹنی قصویٰ کی نکیل چھوڑتے ہوئے فرمایا، ''یہ اللہ کے حکم پر مامور ہے۔'' اونٹنی آپؐ کی ننھیال بنو مالک بن نجار کے محلّے میں اُس جگہ جا کر بیٹھ گئی، جہاں اِس وقت مسجدِ نبویؐ ہے۔ (صحیح بخاری، 3906) آج کی مسجد نبویؐ اُس زمانے کے پورے شہرِ مدینہ کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

میزبانِ رسولؐ، حضرت ایوب انصاریؓ: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اونٹنی سے اُترے اور فرمایا ''کس کا گھر سب سے قریب ہے؟ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ ! یہ ساتھ ہی میرے گھر کا دروازہ ہے۔'' آپؐ نے فرمایا ''تو پھر جائو اور

ہمارے لیے قیلولے کا انتظام کرو۔'' انہوں نے عرض کیا ''آپؐ دونوں حضرات تشریف لے چلیں، اللہ برکت عطا فرمائے گا۔ (صحیح بخاری، حدیث 3911)۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا اصل نام خالد بن زید ہے۔ وہ 48ہجری میں حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں قسطنطنیہ کے محاصرے کے وقت شہید ہوئے تھے۔ اُن کا مزار آج بھی ترکی کے شہر استنبول میں موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی قصویٰ کو حضرت اسعدؓ بن زرارہ اپنے گھر لے گئے تھے، اور وہیں اس کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ (رحمۃ اللعالمین۔ 1/ 106)۔

یثرب کا نام مدینہ ہوگیا: حضور نبی کریم ﷺ جمعہ کی سہ پہر یثرب تشریف لائے تھے اور اسی دن سے اس شہر کو یثرب کے بجائے ''مدینۃ الرسولؐ'' کہا جانے لگا۔ سیّدنا جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس شہر کا نام مدینہ طیبہ رکھوں۔'' (سند ابو دائود، جِلد 2، صفحہ 204) صحیح بخاری کی حدیثِ مبارکہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''منافق لوگ اسے یثرب کہتے ہیں، حالاں کہ اس کا نام مدینہ ہے۔'' (صحیح بخاری، 254/1) مدینہ کو طابہ بھی کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے اس پیارے شہر کا نام ''طابہ'' رکھا ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث1385)۔

مدینۂ منوّرہ کے فضائل

مدینۂ منوّرہ کے فضائل و مناقب بے حد و بے حساب ہیں۔ جن کا شمار ممکن نہیں، اس سرزمین پرسرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری، مستقل رہائش، پہلی اسلامی ریاست کا قیام، دنیا میں حق کی تبلیغ و ترویج کا مرکز و محور، مسجد نبویؐ، روضۂ اطہر، ریاض الجنہ، دس ہزار صحابہؓ کا مسکن، جنّت البقیع اور اُحد کا پہاڑ، وہ مقدّس و متبرک عظیم مقامات ہیں کہ جنھوں نے مدینۂ منوّرہ کو دنیا میں سب سے زیادہ محبوب و اشرف بنادیا ہے۔ اللہ کے محبوبؐ نے اس شہرِ جاناں کے لیے دعا فرمائی ''اے اللہ ! مدینے کی محبّت ہمارے دلوں میں مکّے کی محبت سے بھی بڑھادے۔'' (صحیح بخاری، حدیث 1889)۔

ایک اور جگہ دعا فرمائی ''اے اللہ ! مدینے میں مکّے سے دگنی برکت عطا فرما۔'' (صحیح بخاری، حدیث 1885)۔ حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مدینہ حرم ہے، فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک۔ (یعنی جبلِ عیر سے جبلِ ثور تک) اس حد میں کوئی درخت نہ کاٹا جائے، نہ کوئی بدعت کی جائے۔ اور جس نے بھی یہاں کوئی بدعت نکالی، اس پر اللہ تعالیٰ، تمام ملائکہ اور انسانوں کی لعنت ہے۔'' (صحیح بخاری، حدیث 1867)۔ حضرت ابوہریرہؓ

سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قیامت کے قریب ایمان مدینے میں اس طرح سمٹ آئے گا، جیسے سانپ سمٹ کر اپنے بِل میں آجایا کرتا ہے۔'' (صحیح بخاری، حدیث 1876)۔ اُمِّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اہلِ مدینہ کے ساتھ جو شخص بھی فریب کرے گا، وہ اس طرح گُھل جائے گا، جیسے نمک پانی میں گُھل جایا کرتا ہے۔'' (صحیح بخاری، حدیث 1877)۔

حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''مدینہ برے لوگوں کو اس طرح دُور کردیتا ہے، جس طرح آگ میل کچیل کو دُور کردیتی ہے۔'' (صحیح بخاری، حدیث 1884)۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی سفر سے واپس آتے اور مدینے کی دیواروں کو دیکھتے، تو اپنی سواری تیز فرما دیتے اور اگر اونٹ یا گھوڑے کی پشت پر ہوتے، تو مدینے کی محبت میں اسے ایڑ لگاتے۔'' (صحیح بخاری، حدیث 1886)۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان والی جگہ جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر قیامت کے دن میرے حوضِ کوثر پر ہوگا۔'' (صحیح بخاری، 1888)۔

سیّدنا عبداللہ بن زید بن عاصمؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یوں بیان کرتے ہیں، ''سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے مکّے کو حرم قرار دیا تھا اور مکّے والوں کے لیے دُعا فرمائی تھی۔ مَیں مدینے کو حرم قرار دیتا ہوں اور اس کے رزق اور غلّے کے لیے مکّے کے مقابلے میں دگنی برکت کی دُعا کرتا ہوں۔'' (صحیح بخاری، حدیث، 2129)۔ حضرت عامر بن سعدؓ کی اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص اہلِ مدینہ کے ساتھ بدسلوکی کا ارادہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اُسے آگ میں یوں پگھلائے گا، جس طرح سیسہ پگھل جاتا ہے یا جیسے نمک پانی میں حل ہوجاتا ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث 1363)۔ مدینے میں دجّال اور مرضِ طاعون کا داخلہ ممنوع ہے۔

سیّدنا ابوبکر صدیقؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مدینے میں دجّال کا رُعب بھی نہیں پڑے گا۔ اُس دَور میں مدینے کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازے پر دو فرشتے مقرر ہوں گے۔'' (صحیح بخاری، حدیث 1879)۔ ایک اور موقعے پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''مدینے کے راستے پر فرشتے مقرر ہیں۔ نہ اس میں طاعون آسکتا ہے اور نہ دجّال۔'' (صحیح بخاری، حدیث 1880)۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''دجّال

ہر شہر میں داخل ہوگا، سوائے مکّہ اور مدینہ کے۔ کیوں کہ اُن کے راستوں پر فرشتے انہیں باندھے حفاظت کررہے ہوں گے، وہ ایک ایک ناکارہ سی زمین میں پڑائو ڈالے گا۔

پھر مدینے میں تین زلزلے آئیں گے۔ جن کے ڈر سے ہر کافر و منافق مدینے سے نکل کر دجّال سے جاملے گا۔(اور مدینہ پاک ہوجائے گا)۔'' (صحیح بخاری، حدیث، 1881)۔ حضرت سعید مقبریؓ اپنے والد ابوسعید مہریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ''میرے والد، حرہ کے واقعے کے وقت سیّدنا ابوسعید حذریؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے مدینۂ منوّرہ کی رہائش چھوڑ دینے کے بارے میں مشورہ لیا، کیوں کہ وہ کثیرالعیال تھے۔ منہگائی بہت زیادہ ہوگئی تھی اور اُن کے لیے گزراوقات بہت مشکل ہوگئی تھی۔ سیّدنا ابو سعید حذریؓ نے فرمایا ''افسوس ! میں تمہیں مدینہ چھوڑنے کا مشورہ نہیں دے سکتا، کیوں کہ مَیں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ ''جو شخص مدینے کی تنگی و ترشی پر صبر کرے اور اس سرزمین پر فوت ہو، تو مَیں روزِ قیامت اس کا گواہ بنوں گا، بشرطیہ کہ وہ مسلمان ہو۔'' (صحیح مسلم، حدیث1374)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینۂ منوّرہ میں وفات کو محبوب قرار دیتے ہوئے فرمایا ''جس شخص کے بس میں ہو، وہ مدینہ میں وفات پائے، کیوں کہ جو مسلمان مدینے میں وفات پائے گا، (قیامت کے دن) مَیں اُس کی سفارش کروں گا۔'' (ترمذی، حدیث 3917)۔

باب نمبر 6

سیّدنا جابرؓ نے ایک مرتبہ اپنے دونوں بیٹوں کی موجودگی میں فرمایا ''ہلاک اور برباد ہو وہ شخص، جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف زدہ کیا۔'' بیٹوں نے پوچھا ''ابّا جان! حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو وفات پا چکے ہیں۔'' حضرت جابرؓ نے فرمایا ''مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جس نے اہلِ مدینہ کو خوف زدہ کیا، اس نے خود مجھے خوف زدہ کیا۔''(مسندِ احمد، 354/3)۔

ایک موقعے پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ''روئے زمیں پر مدینۂ منوّرہ کے سوا کوئی ایسا خطّہ نہیں، جس میں مجھے دفن ہونا پسند ہو۔'' (موطا امام مالک، 550/2)۔ مدینۂ منوّرہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ''مدینۂ منوّرہ میری ہجرت گاہ اور آرام گاہ ہے، اور اسی خاکِ پاک سے میں قیامت کے دن اٹھایا جائوں گا، لہٰذا میری اُمت کا حق ہے کہ وہ میری ہم سائیگی اختیار کرے۔ اگر میرے پڑوس میں رہ کر گناہوں سے اجتناب کیا، تو مَیں قیامت کے دن ان کے لیے شفیع اور گواہ بنوں گا۔'' (کنزالعمال،246/12)۔

شہادت کی آرزو اور مدینے میں وفات کی تمنّا

امیرالمومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ ولولہ، جذبہ اور آرزو ہر وقت رہتی کہ شہادت فی سبیل اللہ کا اعزاز بھی حاصل ہوجائے اور مدینۂ منوّرہ کی خاک بھی نصیب ہو۔ چناں چہ آپؓ کثرت سے یہ دعا فرماتے۔ ''اے اللہ ! مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب فرمانا اور اپنے حبیب ؐ کے شہر مدینہ میں موت دے۔'' (صحیح بخاری 253/1)۔ صحابہؓ حیران ہو کر دریافت فرماتے ''امیرالمومنینؓ ! یہ کیسے ممکن ہے کہ شہادت بھی ہو اور مدینہ میں موت بھی ہو؟'' لیکن اللہ نے اپنے محبوب ؐ کے محبوب کی دعائوں کو شرفِ قبولیت بخشا۔ 26ذی الحجہ 23ہجری، نمازِ فجر کے دوران ابو لولو فیروز مجوسی نے زہر سے بجھے خنجر سے حملہ کرکے آپؓ کو زخمی کردیا۔

یوں آپؓ کی مدینے میں شہادت کی آرزو پوری ہوگئی اور پھر پہلوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن ہونے کی خواہش بھی اللہ نے پوری کردی۔(خلفائے راشدین، ص66)۔ مدینہ منورہ کے فضائل و مناقب کا کوئی شمار نہیں، اللہ اور اس کے محبوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس شہرِ مقدّس کا مرتبہ بہت بلند و اعلیٰ ہے۔ یہ مسلمانوں کا دینی و روحانی مرکز اور رشد و ہدایت کا گہوارہ ہے۔ سیّدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام کا معمول تھا کہ جب موسم کا نیا پھل آتا،

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے۔ آپ ؐ وہ پھل لے کر یوں دعا فرماتے ''یا اللہ ! تُو ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما۔

ہمارے شہرِ مدینہ کو بابرکت بنا اور ہمارے صاع اور مد میں بھی برکت عطا فرما۔ یا اللہ ! ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تیرے بندے اور نبی تھے، اور میں بھی تیرا بندہ اور نبی ؐہوں، جس طرح انہوں نے مکّہ معظمہ کے لیے دُعا فرمائی تھی، ویسی ہی میں مدینہ طابہ کے لیے دُعا کرتا ہوں، بلکہ اس سے دو چند کی دُعا کرتا ہوں۔'' (اور دُعا کے بعد آپؐ وہ پھل کسی بچّے کو عنایت فرمادیتے تھے۔) (صحیح مسلم 442/1)۔ ابن ساکرؒ نے سیّدنا ابوہریرہؓ سے بھی یہ روایت نقل کی کہ آپؐ کی دُعا میں یہ الفاظ بھی شامل ہوتے ''اے اللہ ! مدینے والوں کو رزق عطا فرما۔'' یہ دُعا مانگتے ہوئے آپؐ مدینۂ منوّرہ کے چاروں جانب اشارہ فرماتے۔ (کنزالعمال،245/12)۔

مدینۂ منوّرہ کا احترام: ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزیؒ بیان فرماتے ہیں کہ ''حضرت امام مالکؒ مدینہ میں کسی سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے۔ کسی نے اُن سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ''میں سواری پر سوار ہو کر زمین کے اس حصّے کو پامال نہیں کرسکتا، جس پر میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چلے ہوں۔'' اسی طرح منقول ہے کہ امام مالکؒ قضائے حاجت کے لیے مدینۂ منوّرہ سے

بہت دُور اور حدودِ حرم سے باہر جایا کرتے تھے۔ اسی طرح مسجد نبویؐ میں کبھی بھی اونچی آواز سے بات نہیں کیا کرتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حُرمت و کرامت زندگی میں اور انتقال فرمانے کے بعد برابر ہے۔ چناں چہ اس جلیل القدر امام کے اعمال و اقوال سے ہر مقیمِ مدینہ کو سوچنا چاہیے کہ مدینۂ منوّرہ کی عزّت و تکریم کا کیا مقام ہے۔'' (فضائلِ مدینۂ منوّرہ، صفحہ 42)۔ حضرت مفتی شامزیؒ بیان فرماتے ہیں کہ ''مدینۂ منوّرہ کے نوّے سے زیادہ نام، احادیث و آثار اور تاریخ کی کتابوں میں منقول ہیں۔ ان ناموں میں سے ہر نام اس شہر کی صفتِ ایمانی کا حامل اور شرف و عزّت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ شہر اللہ کے نورِ ہدایت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت سے روشن و منور ہے۔ اس لیے اسے مدینۃ المنورہ کہا جاتا ہے۔'' (فضائلِ مدینۂ منوّرہ، صفحہ 16)۔

عہدِ قدیم کا شہرِبیمار ...... مشرف بہ اسلام ہوگیا

جزائرِ عرب کا سرسبز و شاداب ''شہرِبیمار'' یہودیوں کی اُمیدوں کا مرکز، اوس و خزرج کا مسکن، رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے خوابوں، خیالوں کی ریاست ''یثرب'' اب مشرف بہ اسلام ہوکر ''مدینہ طیّبہ'' میں تبدیل ہوچکی تھی۔ مسلمانوں کی پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آچکا

تھا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہرِ جاناں میں تشریف فرما تھے۔ اہلِ مدینہ کے چہرے خوشی سے گُل نار تھے۔ چہار سُو رنگ و نُور کی برسات تھی۔ مدینے کی فضائیں خوشبوئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مہک رہی تھیں، شہرِ خوباں کے گلی کوچے تقدیس و تحمید کے کلمات سے گونج رہے تھے۔

انصار کے وفود دُور دراز علاقوں سے جوق دَر جوق آتے اور جوشِ عقیدت کے ساتھ سلام کرتے۔ رُخِ انورؐ کی زیارت کرتے اور وعظ و نصیحت کی باتیں سُنتے۔ اُن ہی میں ایک قوم ایسی بھی تھی، جو برس ہا برس سے نبی آخر الزماںؐ کی منتظر تھی، لیکن اب اس کی تمام تر اُمیدوں پر پانی پھر چکا تھا۔ اہلِ یہود کا غرور و تکبّر اور شدید یہودی عصبیت یہ حقیقت تسلیم کرنے پر آمادہ ہی نہیں تھی کہ نبی آخر الزماںؐ بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیلؑ پر مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بے شمار انبیاء و رُسل مبعوث فرمائے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد صرف دس نبی ایسے ہیں، جو بنی اسرائیل میں پیدا نہیں ہوئے، جن کے نام شیث علیہ السلام، ادریس علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، لوط علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام اور نبی

آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل بنی اسرائیل کہلائی۔ دُنیا میں ان دس کے علاوہ جتنے بھی انبیاء و رُسل علیہم السلام تشریف لائے، اُن کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔ (معارف القرآن جلد 1 صفحہ 353)۔

یہودیوں کے سب سے بڑے عالم کا قبول اسلام: یثرب کے یہودیوں کی دُشمنی، مخالفت، غم و غصّہ اور عناد اُن کی فطرتِ ثانیہ اور خباثتِ باطنی کا غماز تھا۔ یوں تو نافرمانی، منافقت، بدعہدی، دھوکا دہی، فریب، حسد و فساد اُن کی سرشت میں شامل تھا اور اپنی ان ہی صفات کی بِنا پر دُنیا بھر میں ذلیل و خوار ہوتے پھر رہے تھے، لیکن اس کے باوجود اُن کے تعفّن زدہ لاشے میں خیر کی چنگاری اور نُور کی کرن اپنی جھلک دکھا دیتی تھی۔ ان ہی چند لوگوں میں ایک نام حضرت عبداللہ بن سلام کا ہے، جو اُس زمانے میں یہودیوں کے سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے مذہبی پیشوا تھے۔ اِسلام قبول کرنے سے پہلے اُن کا نام ''الحصین بن سلام بن الحارث'' تھا۔

عبداللہ بن سلام بیان کرتے ہیں کہ ''مَیں اپنے باغ میں کھجور کے درختوں کی کاٹ چھانٹ میں مصروف تھا کہ اچانک شور کی آواز آئی۔ اس کے ساتھ ہی کسی نے کہا کہ اللہ کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آگئے ہیں اور قباء بستی میں بنو عمرو بن عوف کے محلّے میں تشریف

فرما ہیں۔ میں نے فرطِ مسرّت سے مغلوب ہو کر بے اختیار نعرۂ تکبیر بُلند کر دیا۔ اسی درخت کے نیچے میری پھوپھی خالدہ بنتِ حارث بیٹھی تھیں۔ انھوں نے جو یہ نعرہ سُنا، تو حیرت اور غصّے سے بولیں۔ ''اللہ تجھے غارت کرے، خدا کی قسم اگر موسیٰ بن عمران تشریف لاتے، تو کیا تُو اتنا ہی خوش ہوتا؟'' میں نے کہا ''پھوپھی جان! یہ بھی موسیٰ بن عمران کے بھائی اور اُن ہی کی طرح اللہ کے رسولؐ ہیں۔'' اس پر میری پھوپھی بولیں ''اے میرے بھتیجے! کیا یہ وہی نبیؐ ہیں، جن کے بارے میں ہم سُنتے تھے کہ وہ قیامت سے قبل ظہور پذیر ہوں گے؟'' میں نے کہا ''جی ''ہاں! خدا کی قسم، یہ وہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

انھوں نے کہا ''اچھا اگر یہ بات ہے، تو ٹھیک ہے۔'' میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مکمل تحقیق کی ہوئی تھی، میرا یقین تھا کہ یہی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، لیکن مَیں نے اس بات کو خفیہ رکھا ہوا تھا۔ یہودیوں سمیت کسی ایک شخص کو بھی میری اندرونی کیفیت کا علم نہ تھا، چناں چہ جب میں نے اُن کی آمد کی خبر سُنی، تو تیار ہو کر خدمتِ اقدسؐ میں حاضر ہو گیا''۔

جب چہرۂ انور پر پہلی نظر پڑی: حضرت عبداللہؓ بن سلام بیان فرماتے ہیں کہ ''جب میں اس مقدّس محفل میں گیا، جہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے تھے۔ میری نظر جب آپؐ کے چہرۂ انورؐ پر پڑی تو بے اختیار دِل نے کہا کہ یہ نورانی چہرہ کسی جھوٹے شخص کا نہیں ہو سکتا۔ مَیں محفل میں ایک طرف بیٹھ گیا۔ آپؐ فرما رہے تھے کہ ''اے لوگو! آپس میں ایک دُوسرے کو سلام کیا کرو۔ غریبوں، مسکینوں، محتاجوں، یتیموں اور مسافروں کو کھانا کھلایا کرو، صلۂ رحمی کیا کرو اور تہجّد کی نماز پڑھا کرو، جس کے انعام کے طور پر تم سب جنّت میں داخل ہو جائو گے''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اختتام پذیر ہوئی تو مَیں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنا تعارف کروا کر عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہود بدکردار اور پست اخلاق قوم ہیں۔ مَیں ابھی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان نہیں کرتا۔ آپؐ یہودیوں کے سرداروں، علما اور مذہبی لوگوں کو بُلالیں اور پھر اُن سے میرے بارے میں رائے معلوم کریں۔ میں اس دوران پردے کے پیچھے چُھپ جائوں گا۔'' آپؐ نے ایسا ہی کیا اور جب یہود رؤساء سردار آگئے، تو آپؐ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ ''الحصین بن سلام کے بارے میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟'' ان سب نے متفقہ طور پر کہا، ''وہ ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں، وہ بہت بڑے مذہبی رہنما اور بہت بڑے عالم ہیں۔'' جب وہ سب یہودی گواہی دے چکے، تو میں

پردے کے پیچھے سے نکل آیا اور کہا۔ ''اے قومِ یہود کے رہنمائوں ! اللہ سے ڈرو ! تم سب بہت اچھی طرح سے جانتے ہو کہ یہ اللہ کے سچّے رسول ہیں۔ تم ان کا ذکر توریت میں بھی پڑھتے ہو۔ خدا کی قسم میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ میں ان پر ایمان لاتا ہوں۔ ان کی تصدیق کرتا ہوں، اس لیے کہ میں انھیں اچھی طرح سے پہچانتا ہوں۔''

یہ سُننا تھا کہ وہ سب یک زبان ہو کر بولے۔ ''تم جھوٹے ابنِ جھوٹے، رذیل ابنِ رذیل ہو۔'' اور جتنا مجھے بُرا بھلا کہہ سکتے تھے کہا اور چلے گئے۔ مَیں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! یہود بہت گھٹیا، منافق، دوغلے، سرکش اور نافرمان ہیں۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الحصین بن سلام کے اسلام قبول کرنے کے بعد ان کا نام ''عبداللہ'' رکھا۔ عبداللہؓ بن سلام کہتے ہیں کہ ''اسلام قبول کرنے کے بعد میں گھر گیا اور اہلِ خانہ کو جمع کر کے دین کی دعوت دی، لہٰذا پھوپھی سمیت سب نے اسلام قبول کرلیا۔'' (سیرت ابنِ ہشام، 135,137/2)۔

بنی اسرائیل کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا کے اسلام قبول کرلینے سے یہودیوں میں صفِ ماتم بچھ گئی، چناں چہ مسلمانوں سے نفرت اور غم و غصّے میں مزید اضافہ ہوگیا۔ یہودی، منافق اور

سازشی ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت بزدل اور ڈرپوک ہیں۔ یہ پوری زندگی دُوسری قوموں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو کر دَربدر کی ٹھوکریں کھاتے رہے۔ چناں چہ مدینے میں بھی انھوں نے کُھل کر آنحضرتؐ اور مسلمانوں کی مخالفت سے گریز کیا۔ اسی لیے یہ لاکھ دُشمنی کے باوجود میثاقِ مدینہ میں شامل ہوگئے۔

ہجرت کے بعد تین اوّلین کام

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی جن تین اوّلین کاموں پر سب سے پہلے توجّہ دی، وہ یہ تھے۔ (1) مسجدِ نبویؐ کی تعمیر۔ (2) مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات۔ (3) امن و امان کا قیام۔

مسجد نبویؐ کی تعمیر: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُونٹنی قصویٰ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر کے سامنے جس جگہ آکر بیٹھی تھی، وہ جگہ خاندانِ بنو نجار کے دو یتیم بچّوں سہل اور سہیل کی

تھی، جن کے سرپرست حضرت اسعد بن زرارہؓ تھے۔ آپؐ نے اس جگہ کو مسجد کے لیے پسند فرماتے ہوئے دونوں بچّوں کو بلا بھیجا اور زمین کی فروخت کے بارے میں دریافت فرمایا۔

دونوں بچّوں نے کہا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم دونوں بھائی بخوشی اسے ہبہ کرنا چاہتے ہیں۔'' آپؐ نے اسے گوارہ نہیں فرمایا اور بچّوں کو زمین کی قیمت ادا فرمائی۔ (صحیح بخاری حدیث، 3906)۔ چناں چہ زمین کی قیمت سیّدنا ابوبکر صدیقؓ یا حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے بچّوں کو ادا کی۔ اس جگہ ہجرت سے پہلے مسلمان حضرت اسعد بن زرارہؓ کی امامت میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ یہاں پر کچھ قبریں اور چند کھجور کے درخت تھے۔

صحابہؓ نے قبریں اُکھاڑ کر زمین ہم وار کی اور سب نے مل کر مسجد کی تعمیر شروع کردی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس تعمیر کے کام میں شامل رہے۔ (تاریخ ابنِ کثیر، جلد 3 صفحہ 194)۔ آپؐ پتھر اور اینٹیں ڈھوتے۔ صحابہؓ کہتے، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے ماں، باپ آپؐ پر قربان، آپؐ پتھر نہ اُٹھائیں۔'' حضورؐ اُن کے منع کرنے پر وہ پتھر چھوڑ دیتے، لیکن پھر دُوسرا پتھر اُٹھا لاتے۔ (سیرت النبیؐ، 175/1)۔ اس موقعے پر آپؐ یہ دُعا فرماتے ''اے اللہ! کام یابی تو بس آخرت کی کام یابی ہے۔ پس تو انصار و مہاجرین کو بخش دے۔'' (صحیح بخاری حدیث،3932)۔

باب نمبر 7

صحابیٔ رسولؐ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ قبیلۂ خزرج کے بُلند پایہ شاعر تھے۔ وہ جب رجز پڑھتے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کے ہر قافیے کے ساتھ آواز ملاتے۔ (وفاء الوفاء 180/1)۔ آنحضرتؐ کے اس طرزِ عمل سے صحابہ کرامؓ کی نہ صرف تھکن دُور ہوجاتی، بلکہ اُن کے جوش و خروش میں بھی مزید اضافہ ہو جاتا۔ مسجد کی دیواریں کچّی اینٹوں اور پتّھر سے بنائی گئی تھیں۔ (صحیح بخاری، حدیث، 446)۔ مسجد نبویؐ کی لمبائی 35 میٹر اور چوڑائی 30 میٹر رکھی گئی تھی۔ زمین پر ریت اور سنگ ریزوں کا فرش بچھایا گیا تھا۔

اس وقت قبلہ بیت المقدس کی جانب تھا۔ جب قبلہ، خانہ کعبہ کی طرف ہوا، تو شمال کی جانب ایک نیا دروازہ بنا دیا گیا۔ (سیرت النبیؐ، 178/1)۔ اقامتِ صلوٰۃ کے نظام کے علاوہ یہی مسجد مسلمانوں کی اجتماع گاہ اور ایوانِ عدالت، قصرِ سیاست، مہمان گاہ، پارلیمنٹ ہائوس اور درس گاہ بھی تھی۔ غرض، اسلامی ریاست کے تمام اُمور کا محور و مرکز مسجدِ نبویؐ تھی۔ غزوئہ خیبر سے واپسی پر آپؐ نے مسجد نبویؐ کی توسیع فرمائی۔ لمبائی میں 15 میٹر اور چوڑائی میں 20 میٹر کا اضافہ فرمایا۔ جس کے بعد لمبائی اور چوڑائی 50، 50 میٹر ہوگئی۔ (مدینے کی تاریخی مساجد، صفحہ 10)۔

ازواجِ مطہراتؓ کے حُجروں کی تعمیر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد سے متصل دو حُجرے بھی تعمیر کروائے۔ ایک اُمُّ المومنین، حضرت سودہؓ اور دُوسرا اُمُّ المومنین، سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کے لیے۔ اس وقت حرم نبویؐ میں یہی دو ازواجِ مطہراتؓ تھیں۔ ان حُجروں کی لمبائی 7 یا 8 گز اور چوڑائی 5 یا 6 گز تھی۔ اُن کی دیواریں کچّی اینٹوں کی اور چھت کھجور کے پتّوں کی تھی۔ حضرت حسن بصریؒ کا بیان ہے کہ ''مَیں لڑکپن میں بلوغ سے پہلے ان حُجروں میں گیا ہوں۔ اُن کی چھتیں اتنی نیچی تھیں کہ مَیں ہاتھ لگا کر انھیں چُھو لیا کرتا تھا۔ (سیرتِ سرورِ عالمؐ، جِلد3 صفحہ، 57)۔ حُجروں کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد آپؐ نے حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت ابو رافع کو مکّہ روانہ کیا، تاکہ وہ آپؐ کے اہلِ خانہ کو مدینہ لے آئیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اپنے صاحب زادے، عبداللہؓ کو پیغام بھیجا کہ وہ بھی والدہ اور بہنوں کو لے کر مدینہ آجائیں۔ حضرت زیدؓ اپنے ساتھ حضرت سودہؓ اور حضورؐ کی دونوں صاحب زادیوں حضرت اُمّ کلثومؓ، حضرت فاطمہؓ، اپنی اہلیہ اُمِّ ایمنؓ اور صاحب زادے حضرت اسامہؓ کو لے کر مدینہ آگئے۔ آپؐ کی بڑی صاحب زادی حضرت زینبؓ نہ آسکیں۔ (اُن کی ہجرت کا واقعہ آگے آئے گا)۔ حضرت عبداللہ بن ابوبکرؓ اپنی والدہ اُمِّ رُومانؓ اور بہنوں حضرت اسماءؓ اور

حضرت عائشہؓ کو لے کر مدینہ آ گئے۔ اہلِ خانہ کی ہجرت کے بعد حضورؐ بھی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر سات ماہ قیام کے بعد اپنے حُجروں میں تشریف لے آئے۔ (سیرت سرورِ عالمؐ، 58/3)۔

صُفّہ اور اصحابِ صُفّہ

مسجدِ نبویؐ کی تعمیر کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے باہر شمال مشرقی حصّے میں ایک سائبان بنانے کا حکم فرمایا۔ عربی میں سائبان یا سایہ دار جگہ کو ''صُفّہ'' کہتے ہیں۔یہ اُن مساکین و مہاجرین کی رہائش گاہ، اقامتی درس گاہ اور خانقاہ تھی، جن میں سے بعض کا نہ گھر بار تھا اور نہ اہل و عیال۔ جنھوں نے خود کو تزکیۂ نفس، قرآن و حدیث کے علوم کے حصول اور فیضانِ مصطفویؐ سے سیراب ہونے کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ صُفّہ، عالمِ اسلام کی پہلی درس گاہ، پہلی یونی ورسٹی اور پہلا ہاسٹل تھی۔

یہاں کے رہائشی فاقہ مست غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دن رات کے ہر ہر لمحے معلّمِ انسانیتؐ کے دربار میں حاضر رہ کر رُوحانی غذا کی حلاوتوں اور جلوۂ محبوبؐ کی سعادتوں سے سرشار ہو کر دُنیا جہاں سے ایسے بے پروا ہو جاتے کہ پھر انھیں نہ تو کھانے کی فکر ہوتی اور نہ پینے کی۔ کئی

کئی دن کچھ کھائے بغیر گزر جاتے۔ ملا تو کھا لیا، ورنہ پیٹ سے پتھر باندھ لیا۔ اصحابِ صُفّہ کی تعداد کم زیادہ ہوتی رہتی تھی، لیکن ایک وقت میں کم از کم 70اصحاب ضرور ہوتے تھے۔ (سیرت النبیؐ، صفحہ 1/183)۔ علاّمہ جلال الدّین سیوطیؒ نے ان کی تعداد چار سو، جب کہ قتادہؓ نے 700 تک تحریر کی ہے۔ (سیرت رحمۃ اللعالمینؐ، ص 215)۔

اذان کی ابتدا: مسجدِ نبویؐ کی تعمیر کے بعد یہ خیال آیا کہ شہرِ مدینہ میں نماز کی بروقت اطلاع کیسے کی جائے، صحابہؓ سے مشورے کے دوران مختلف تجاویز سامنے آئیں، مثلاً نماز کے اوقات میں ایک بُلند جھنڈا لہرا دیا جائے یا کسی بلند جگہ پر آگ روشن کر دی جائے، یا عیسائیوں کی طرح ناقوس (گھنٹہ) بجایا جائے یا پھر یہودیوں کی طرح سینگ یعنی بگل بجایا جائے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مسلم اقوام سے تشبیہ پسند نہ تھی۔

ابھی اس مسئلے پر غور و خوض جاری تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے ایک جیسا خواب دیکھا، جس میں ایک شخص اذان کے الفاظ دُہرا رہا تھا۔ دُوسرے دن صبح ان حضرات نے اپنا خواب حضورؐ کے گوش گزار کیا۔ (جامع ترمذی، جلد 1، حدیث 180)۔ حضرت

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کم از کم دس صحابہ کرامؓ نے اسی طرح کا خواب دیکھا۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وحی کے ذریعے اذان کے الفاظ بتا دیئے گئے تھے۔

اسلام کے پہلے مؤذن

محمدّ بِن عبداللہ بن زید اپنے والد کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ جب صبح ہوئی، تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے خواب کی خبر دی۔ آپؐ نے فرمایا ''تمہارا خواب سچّا ہے اور تم بلالؓ کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ۔ اس لیے کہ وہ تم سے بُلند آواز والے ہیں اور انھیں وہ سکھاؤ، جو تمہیں کہا گیا ہے اور وہ اُسے بُلند آواز سے کہیں گے۔'' راوی کے مطابق، جب حضرت عُمرؓبن خطاب نے حضرت بلالؓ کی اذان سُنی تو اپنی چادر کھینچتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! اس ذات کی قسم، جس نے آپؐ کو سچّا دین دے کر بھیجا ہے۔ مَیں نے بھی اِسی طرح کا خواب دیکھا ہے، جس طرح بلالؓ نے کہا ہے۔ (جامع ترمذی، حدیث 180)۔

حضرت بلالؓ جب عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈُوب کر والہانہ انداز میں اذان دیتے، تو مدینے کی فضاؤں تک پر سحر طاری ہو جاتا۔ حضرت بلالؓ کے شیریں لبوں سے نکلے ہوئے مقدّس کلمات سُن کر لوگ دیوانہ وار مسجدِ نبویؐ کی جانب دوڑ اُٹھتے۔

انصار و مہاجرین کے درمیان نظامِ مواخات: بیعتِ عقبہ ثانیہ کے بعد ہجرت کا اِذنِ عام ہوا۔ اللہ نے یثرب کو مدینۃ الرسولؐ میں تبدیل کرنے کا فیصلہ فرما دیا تھا۔ دُنیا میں پہلی اسلامی ریاست کا وجود عمل میں آنے کو تھا۔ مکّہ مکرمہ کے مسلمان اپنا گھر بار، مال و اسباب، کاروبار غرض اپنی تمام متاعِ حیات چھوڑ کر رات کے اندھیرے میں اپنے گھروں سے بے سروسامانی کی حالت میں نکلے اور جب دارالہجرت مدینہ منورہ پہنچے، تو ہر لحاظ سے تہی دست، بے وسیلہ تھے۔ اُن کے دل غریب الوطنی کی وحشت اور قوم و قبیلے کی جدائی سے داغ داغ تھے۔ مکّہ مکرمہ کی جدائی اور یادیں بے قراری میں مزید اضافہ کردیتیں۔

جو اکیلے تھے، وہ تو ''صُفّہ'' چبوترے کی آغوش میں پناہ گزیں ہوگئے، لیکن جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ تھے، وہ اہلِ مدینہ کے محتاج تھے۔ مدینے کے انصار بھی زیادہ امیر و کبیر تو نہ تھے، لیکن انھوں نے آگے بڑھ کر اپنے مہاجر بھائیوں کو گلے لگایا۔ ابھی مسجد نبویؐ کی تعمیر مکمل بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کے مکان پر انصار و مہاجرین کی ایک مجلس منعقد کی، جس میں دونوں طرف کے90افراد نے شرکت کی۔

آپؐ نے اخوت و بھائی چارے پر گفتگو فرمائی اور پھر ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصار کے درمیان مواخات کا ایسا اَن مول رشتہ قائم فرمایا، جو رہتی دُنیا تک کے مظلوم مہاجرین کی مدد و خیرخواہی کرنے والوں کے لیے اَجر و ثواب کی ایسی روشن مثال بن گیا، جس کی نظیر دُنیا کے کسی مذہب، کسی نظریے اور کسی تحریک میں نہیں ملتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ مواخاتِ مدینہ کے اس خُوب صُورت رشتے کو اللہ نے مزید مستحکم فرما دیا اور وحی نازل فرمائی کہ (ترجمہ) ''اور مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔'' (سورۃالحجرات، آیت 10)۔ سورۂ توبہ میں فرمایا ''مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دُوسرے کے رفیق ہیں۔'' باہمی محبّت و اخوت اور بھائی چارے کے اسی جذبے سے سرشار ہوکر انصارِ مدینہ اپنے ان مہاجر بھائیوں کو اپنے گھروں میں لے گئے اور اپنے گھربار، مکانات و کاروبار، باغات و مال مویشی غرض اپنی ملکیت میں موجود کل اثاثے کا نصف حصّہ اُن کی خدمت میں پیش کردیا۔ (البدایہ والنہایہ، جِلد 3، صفحہ، 225)۔

انصار کے ایثار کا ایک خوب صورت واقعہ: یثرب کے جنگجو قبائل خزرج اور اوس کے لوگ، جو برسہا برس سے ایک دُوسرے کے خون کے پیاسے تھے، جب مشرف بہ اسلام ہوئے، تو اسلام کی برکت سے ان کے دل محبت و ایثار سے لبریز ہوگئے۔ تاریخ میں انھیں انصار کے نام سے یاد کیا گیا۔ انصار کے ایثار کے بہت سے واقعات تاریخ میں رقم ہیں، لیکن یہاں ہم صرف ایک واقعے کا تذکرہ کردینا ضروری سمجھتے ہیں۔

حضرت سعد بن ربیع انصاریؓ اپنے مہاجر بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اپنے گھر لے گئے اور فرمایا ''اے میرے برادرِ عزیز! میرے پاس کثیر مال و زَر ہے۔ اس میں سے آدھا مَیں آپ کو دیتا ہوں۔ میری دو اہلیہ ہیں، جو آپ کو پسند آئے، مجھے بتائیں، مَیں طلاق دیتا ہوں، عدّت کے بعد آپ نکاح کرلینا۔'' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے انھیں دُعائیں دیتے ہوئے فرمایا۔ ''میرے بھائی! آپ مجھے بازار کا راستہ بتادیں۔'' چناں چہ وہ بازار چلے گئے اور وہاں سے مال لے کر بیچنا شروع کردیا۔ پہلے دن انھیں منافعے میں کچھ پنیر اور تھوڑا سا گھی ملا۔ ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔

آپؐ نے دیکھا کہ اُن کے کپڑوں پر خوشبو کی زردی کا نشان ہے۔ فرمایا ''عبدالرحمٰنؓ! یہ کیا ہے؟'' انہوں نے ذرا شرماتے ہوئے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ایک انصاری خاتون سے نکاح کر لیا ہے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''تم نے اپنی اہلیہ کو مہر میں کیا دیا ہے؟'' عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک گٹھلی کے برابر سونا دیا ہے۔'' آپؐ نے فرمایا ''اب تم ولیمہ کرو، خواہ ایک ہی بکری کا ہو۔'' (صحیح بخاری، حدیث 2048)۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ مہاجرین نے عرض کیا۔ ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! ہم نے انصار جیسے سخی اور ہم درد لوگ کبھی نہیں دیکھے۔ یہ ہمارا تمام معاشی بوجھ خود اُٹھاتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ سارا ثواب ان ہی کو مل جائے؟'' آپؐ نے فرمایا ''ہرگز نہیں، جب تک تم ان کے لیے اللہ سے دُعائیں کرتے رہوگے اور ان کے حُسنِ سلوک کی تعریف کرتے رہوگے، اللہ تعالیٰ تمہیں بھی پورا پورا اَجر دے گا۔'' (مسندِ احمد، 3/204)۔

مدینہ منورہ میں سب سے پہلے بچّے کی پیدائش

سیّدہ اسماءؓ بنتِ ابوبکرؓ بیان کرتی ہیں کہ ''جب میں مکّے سے نکلی تو وضعِ حمل کا وقت قریب تھا۔: جب قباء آئی، تو عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے۔ مَیں انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئی۔ آپؐ نے بچّے کو گود میں لٹایا۔ پھر کھجور منگوا کر چبائی، پھر اس کے مُنہ میں اپنا لعابِ مبارک ڈالا۔

اس طرح سب سے پہلے جو چیز اس کے شکم میں گئی، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعابِ دہن تھا۔'' (صحیح بخاری، 3909)۔ سیّدہ عائشہؓ نے فرمایا۔ ''ہجرت کے بعد مسلمانوں کے گھر میں سب سے پہلے پیدا ہونے والا بچّہ عبداللہ بن زبیرؓ تھا۔ گھر والے اسے لے کر حضورؐ کی خدمت میں

پیش ہوئے۔ آپؐ نے کھجور چبا کر اپنا لعاب اس کے مُنہ میں ڈالا۔ اس طرح سب سے پہلے اس کے مُنہ میں آپؐ کا لعاب مبارک داخل ہوا۔'' (صحیح بخاری۔ 3910)۔

میثاقِ مدینہ..... دُنیا میں پہلا بین الاقوامی معاہدہ

مسجدِ نبویؐ کی تعمیر اور نظامِ مواخات کے بعد مدینے کی نوخیز ریاست کو شرانگیزی اور تخریب کاریوں سے محفوظ کرتے ہوئے شہر میں امن و امان کا قیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی ترجیح تھی۔ مدینے کے اندر اور قرب و جوار کے یہودی قبائل بہت بڑا خطرہ تھے۔ چناں چہ آپؐ نے ان قبائل سے تحریری معاہدہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر دس یہودی (احبار و علماء) مجھ پر ایمان لے آتے، تو تمام یہودی مسلمان ہو جاتے۔'' (صحیح بخاری۔ 3941)۔

دو قوموں کے درمیان دُنیا کا پہلا بین الاقوامی معاہدہ: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے سخت ترین دُشمن یہودیوں کے تین بڑے قبائل کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ کیا۔ اس

تحریری دستاویز کو یہ منفرد اعزاز حاصل ہے کہ یہ دُنیا کا پہلا تحریری بین الاقوامی معاہدہ تھا، جو دو قوموں کے درمیان ہوا اور یہی دُنیا کی پہلی اسلامی ریاست کا دستور بھی قرار پایا۔

یہاں اس بات کی وضاحت بہت ضروری ہے کہ متعصّب یورپی موٴرّخین حقائق کو پسِ پشت ڈال کر مسلمانوں سے تعصّب اور دُشمنی کی بناء پر ''میگنا کارٹا MAGNA CARTA'' کو پہلا بین الاقوامی معاہدہ قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ مغرب سے مرعوب اور یورپی تہذیب کے دل دادہ مسلمان بھی دین سے لاعلمی کی بناء پر ''میگنا کارٹا'' ہی کو دُنیا کا پہلا بین الاقوامی معاہدہ سمجھتے ہیں۔

یثاقِ مدینہ، ہجرت کے پہلے سال 622 عیسوی کو ہوا۔ جب کہ اس معاہدے کے 600سال بعد1215عیسوی میں میگنا کارٹا ہوا۔ میگنا کارٹا لاطینی لفظ ہے، جس کے معنی عظیم دستاویز ہے۔ اس معاہدے کے تحت برطانوی عوام نے انگلستان کے بادشاہ ''جان اوّل'' کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اس بات کو تسلیم کرے کہ وہ قانون سے بالاتر نہیں۔ یہ معاہدہ انگلستان کے شہر لندن کے جنوب مغرب میں 20 میل کی مسافت پر واقع دریائے ٹیمز کے کنارے ''رنی میڈ'' کے مقام پر ہوا۔

میگنا کارٹا عوام اور بادشاہ کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ تھا، لیکن اس معاہدے سے چھے سو سال پہلے جس اعلیٰ ترین دستوری و آئینی خصوصیات کی حامل تاریخی دستاویز پر دستخط ہوئے، وہ دُنیا کی دو عظیم قوموں کے درمیان تاریخ ساز معاہدہ تھا۔ ایک طرف بنی اسرائیل اور دُوسری طرف اُمتِ مسلمہ کے سربراہؐ محسنِ انسانیت، پیغمبرِ رحمت، حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ تھے

باب نمبر 8

میثاقِ مدینہ کے چند اہم نکات: اس تاریخ ساز آئینی اور دستوری معاہدے کی 53دفعات ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۔1 ۔یہودیوں کو مذہبی آزادی ہوگی۔ یہودی اپنے دین پر اور مسلمان اپنے دین پر عمل پیرا ہوں گے۔ 2۔ مدینے کا دفاع فریقین پر لازم ہوگا۔ بیرونی حملے کی صورت میں سب مل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ 3۔یہودی اور مسلمان اپنے اپنے اخراجات کے خود ذمّے دار ہوں گے۔ جنگ کی صورت میں اخراجات دونوں برداشت کریں گے۔ 4۔ قریش اور اس کے مددگاروں کو کوئی فریق پناہ دے گا، نہ کسی ظالم یا مجرم کی مدد کی جائے گی۔ 5۔ جو قبیلے مسلمانوں کے دوست ہیں، وہ یہودیوں کے بھی دوست ہوں گے اور جو مدینے کے یہودیوں کے حلیف ہیں، وہ مسلمانوں کے بھی حلیف ہوں گے۔ مظلوموں کی مدد و حمایت سب پر لازم ہوگی۔ 6۔ معاہدے کے فریقین پر مدینے میں لڑائی جھگڑا، فساد و خون خرابا حرام ہوگا۔ 7۔یہود و مسلمان آپس میں ایک دُوسرے کا احترام کرتے ہوئے خوش گوار تعلقات استوار کریں گے۔ 8۔خون بہا اور فدیے کے لیے جو طریقہ پہلے سے رائج ہے، وہی قائم رہے گا۔ 9۔ معاہدے کے فریقین میں اختلاف کی صورت میں دونوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے پابند ہوں گے۔

امن و امان کے معاہدے کو مزید وسعت دینے کے لیے اللہ کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب و جوار کے دیگر قبائل سے بھی معاہدے کیے۔ اس اقدام سے مدینے اور اس کے اطراف کا تمام تر علاقہ ایک وفاق کی شکل اختیار کرگیا، جس کے سربراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یہ مسلمانوں کی پہلی اسلامی ریاست تھی، جس میں تمام سیاسی، قانونی اور عدالتی اختیارات پر غالب حکم رانی مسلمانوں کی تھی۔ (رحیق المختوم، ص264)۔

یثرب کے یہودیوں کی عادات و اطوار

یہودیوں کی معاندانہ روش: میثاقِ مدینہ کی شرائط یہودیوں نے خود قبول کی تھیں، لیکن جلد ہی انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف معاندانہ روش کا اظہار شروع کردیا۔ ان کا عناد روز بروز بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ جس کی چند وجوہ درجِ ذیل ہیں۔

یہودی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ایک رئیسِ قوم دیکھنا چاہتے تھے کہ جو صرف اپنے گروہ کے دُنیاوی مفاد سے سروکار رکھے، لیکن جب انھوں نے یہ دیکھا کہ یہ تو احکامِ الٰہی کی

اطاعت اور معاشرتی برائیوں کے خلاف ایک عالم گیر اصلاحی تحریک چلانے کے دَرپے ہیں، جو نہ صرف اُن کی تمام تر خرافات کو بہا لے جائے گی، بلکہ ان کی معاشی برتری، تجارتی و کاروباری اجارہ داری اور سیاسی چوہدراہٹ کو بھی ختم کردے گی، تو وہ نقصان پہنچانے کے دَرپے ہوگئے۔ اوس و خزرج کی طویل جنگ اور انصار کا تفرقوں میں بٹے رہنا، اُن کے مفاد میں تھا، لیکن اب تمام قبائل کو آپس میں بھائی بھائی بنتے دیکھ کر ایک مضبوط اُمت کا رُوپ دھار لینا، یہودیوں کے مفادات کے لیے سخت خطرہ تھا۔ اس کے علاوہ اسلام کا سود سے پاک معاشی نظام بھی یہودیوں کی معاشی و سماجی موت تھا۔

یثرب کے معاشرے پر یہود کی مضبوط گرفت: یہودی یثرب کی سیاسی، معاشی، تجارتی اور معاشرتی سرگرمیوں کے رُوحِ رواں تھے۔ مال و زَر کے لین دین سمیت تمام تر تجارتی اور معاشی معاملات یہودیوں کے ہاتھوں میں تھے۔ فلسطین و شام کے متمدن علاقوں سے آنے والے وہ لوگ نہ صرف جدید طریقوں سے واقف تھے، بلکہ باہر کی دُنیا سے اُن کے تعلقات بھی وسیع تھے۔ مرغ بانی، ماہی گیری اور زراعت کے علاوہ غلّے کی درآمد اور کھجوروں کی برآمد سمیت تمام تجارتی لین دین اُن کے قبضے میں تھا۔

اوس و خزرج کے درمیان طویل ترین جنگ میں جدید اسلحے کی فراہمی بھی ان کی ذمّے داری تھی۔ پورے یثرب میں جگہ جگہ شراب خانے موجود تھے۔ وہ لوگ شراب کی بڑی بڑی بھٹیوں کے مالک تھے۔ قبیلہ بنو قینقاع کے زیادہ تر یہودی پیشے کے اعتبار سے سُنار، لوہار یا ظروف سازی کے شعبے سے بھی وابستہ تھے، جب کہ ان کا سب سے بڑا اور منافع بخش کاروبار سود خوری تھا۔ پورے عرب میں قبیلے کا کوئی ایک بھی سردار، شیخ یا بااثر آدمی ایسا نہ تھا کہ جو اُن کے سودی کاروبار کے جال میں پھنسا ہوا نہ ہو۔ یہ بھاری شرحِ منافع پر زیادہ سے زیادہ قرضہ دیتے اور پھر سود دَر سود کا چکر چلتا رہتا۔

دوغلی پالیسی پر عمل پیرا: اُن کے تجارتی و مالی مفادات اور بقا کا تقاضا یہ تھا کہ یہ خود تو عرب کے سب قبائل سے تعلقات رکھیں اور اپنی چرب زبانی سے اُنھیں سبز باغ دکھا کر اپنا اُلّو سیدھا کرتے رہیں، لیکن اُنھیں آپس میں متحد نہ ہونے دیں۔ چناں چہ اکثر اوقات بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پھیلا کر اُن قبائل کو آپس میں دست و گریباں رکھتے۔ بنو خزرج اور بنو اوس ایک ہی ماں کی اولاد میں سے تھے، لیکن یہودیوں کی سازشوں نے اُنھیں 120 سال تک خوف ناک جنگ میں اُلجھا کر تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا تھا۔

مذہبی تعصّب اور نسلی فخر و غرور: یہودیوں کے اندر اسرائیلیت کا شدید تعصّب اور نسلی فخر و غرور پایا جاتا تھا۔ دُنیا کی سب سے زیادہ متمدن اور اللہ کی محبوب قوم کے گھمنڈ میں مبتلا اس بدنصیب قوم کی خُود فریبی کا یہ عالم تھا کہ بڑے فخر سے کہتے تھے کہ ''دوزخ کی آگ ہمیں نہیں جلائے گی، کیوں کہ ہم یہودی ہیں اور دوزخ ہم پر حرام ہے۔'' قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے، (ترجمہ) ''اور کہتے ہیں کہ (دوزخ کی) آگ ہمیں ہرگز چُھونے والی نہیں، سوائے چند روز کے۔ اُن سے پوچھو کہ کیا تم نے اللہ سے اقرار لے رکھا ہے کہ اللہ اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرے گا۔ تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو، جن کا تمہیں مطلق علم نہیں، ہاں جو بُرے کام کرے اور اس کے گناہ اُسے گھیر لیں، تو ایسے لوگ دوزخ میں جانے والے ہیں۔ جہاں وہ ہمیشہ اس میں جلتے رہیں گے۔'' (سورۃ البقرہ، آیات 80،81)۔ یہودی عربوں کو اُمّی کہتے تھے، جس کے معنیٰ صرف اَن پڑھ کے نہیں، بلکہ وحشی اور جاہل کے بھی تھے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ یہ لوگ اسرائیلیوں سے کم تر ہیں اور اُن کے مال و جان پر یہودیوں کا حق ہے۔ یہودی علماء سحر و جادوگری، فال وغیرہ میں ماہر تھے، جس کی وجہ سے عربوں پر اُن کے علم اور عمل کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ عرب سرداروں کے علاوہ عام عربوں سے برابر کی بنیاد پر معاملات کرنا انھیں گوارا نہ تھا۔

یثرب کے یہود، عربیت کے رنگ میں: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع ''معارف القرآن'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ، ''اللہ تعالیٰ نے اولادِ یعقوبؑ میں یہ برکت عطا فرمائی کہ دس انبیاء کے علاوہ

باقی سب انبیاء و رُسل اُن کی اولاد (بنی اسرائیل) میں پیدا ہوئے، جن کے نام حضرت شیث علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔'' (353/1)۔ یہود اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ نبی آخرالزماں، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بنی اسرائیل میں سے ہوں گے۔

انھیں اپنی مقدّس کتاب توریت سے بھی اس بات کا علم ہوگیا تھا کہ آخری نبیؐ حجازِ مقدّس اور خاص طور پر سرسبز و شاداب علاقے یثرب میں تولّد ہوں گے، چناں چہ اُنھوں نے نہ صرف یثرب کے قُرب و جوار میں اپنی مستقل آبادیاں بسائیں، بلکہ خود کو زبان، لباس، تہذیب تمدّن یعنی ہر لحاظ سے پوری طرح عربیت کے رنگ میں رنگ لیا، حتیٰ کہ اُن کی غالب اکثریت کے نام تک عربی زبان کے تھے۔ حجاز میں آباد 12 یہودی قبائل میں سے بنی زعورا کے سوا کسی قبیلے کا نام عبرانی زبان میں نہ تھا۔ اُن کے چند گِنے چُنے علما کے سوا کوئی عبرانی زبان جانتا تک نہ تھا۔ دراصل، اُن میں اور عام عربوں میں دین کے سوا کوئی فرق باقی نہ رہا تھا، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ عربوں میں جذب نہ ہوسکے۔

اُن پر یہودی عصبیت اور غرور و تکبّر کا عنصر شدّت کے ساتھ غالب رہا۔ انھیں سب سے بڑا دھچکا اُس وقت لگا کہ جب انھیں معلوم ہوا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل سے نہیں ہیں۔ آنحضرتؐ کے مدینہ تشریف لانے پر انھوں نے اپنی دوغلی پالیسی کی بِنا پر معاہدہ تو کرلیا، لیکن اُنھیں جب یہ علم ہوا کہ اسلام کی یہ تحریک تو اُن کے تمام ناجائز کرتوتوں کو اُکھاڑ پھینکے گی، اُن کا سودی کاروبار، ٹھاٹ باٹھ، عیش عشرت ختم ہوجائے گی۔ فسق و فجور کی رنگین محفلیں اُجڑ جائیں گی، تو انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو اپنا نصب العین بنالیا۔ آپؐ کو زک دینے اور تکلیف پہنچانے کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے، جھوٹی باتیں پھیلانا، لوگوں کو بدگمان کرنا، مسلمانوں میں پُھوٹ ڈالنا، سازباز کرنا اُن کا روز کا معمول تھا۔(سیرت سرورِ عالمؐ، جِلد سوم، صفحات 77-73)۔

حضرت صفیہؓ کی معتبر گواہی: یہودیوں کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دُشمنی کی سب سے معتبر گواہی، اُمّ المومنین حضرت صفیہؓ کی ہے۔ حضرت امام بیہقیؒ تحریر کرتے ہیں کہ ''حضرت صفیہؓ ایک بڑے یہودی عالم کی بیٹی اور ایک دُوسرے عالم کی بھتیجی تھیں۔ آپؓ کے والد حیئ بن اخطب اور چچا، ابویاسر یہودیوں کے بڑے سردار اور مذہبی رہنمائوں میں سے تھے۔ نبی محترم صلی

اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لائے، تو یہ دونوں بھائی اپنی مقدّس کتاب ''توریت'' میں لکھی گئی پیش گوئی کی تحقیق کی غرض سے مدینہ منورہ آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طویل ملاقات کی۔

حضرت صفیہؓ فرماتی ہیں کہ جب یہ دونوں واپس آئے، تو مَیں نے دیکھا کہ بڑے اُداس، پریشان اور متفکّر ہیں۔ مجھے تجسّس ہوا اور میں نے اُن کی باتیں سُنیں، جو اس طرح تھیں۔ چچا میرے والد سے کہتے ہیں۔ ''کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ وہی نبیؐ ہیں کہ جن کے آنے کی خبر اور تفصیل ہماری مقدّس کتاب میں موجود ہے؟'' والد نے جواب دیا، ''ہاں اَبو یاسر! میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ وہی نبیؐ ہیں۔''چچا پھر سوال کرتے ہیں، ''کیا تمہیں یقین ہے؟'' اُن کے چہرے پر گھبراہٹ اور لہجے میں خوف نمایاں تھا۔ ''ہاں ابو یاسر! مجھے یقین ہے کہ یہ وہی نبیؐ ہیں۔'' والد نے شکست ''خوردہ لہجے میں جواب دیا۔ ''تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

چچا نے دریافت کیا۔ ''بخدا جب تک جان میں جان ہے۔ میں اس شخصؐ کی مخالفت کروں گا اور اس کی بات کو چلنے نہیں دوں گا۔'' حضرت صفیہؓ فرماتی ہیں کہ ''میں نے اپنے والد اور چچا کو اس سے پہلے کبھی اتنا پریشان اور اُداس نہیں دیکھا تھا، لیکن ان دونوں کی باتوں سے مجھے یقین ہوگیا کہ

توریت میں جس آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا میں آنے کا ذکر ہے، وہ نبی ؐ آچکے ہیں۔ اور اب اسلام کو دُنیا میں پھیلنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اُن کی گفتگو سُننے کے بعد اسلام اور اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں میرا تجسّس مزید بڑھ گیا۔‘‘ (اُمہات المومنینؓ، ص140)۔

مسائل کے انبار: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، تو عام تاثر یہ تھا کہ آپؐ کی مشکلات میں کمی آجائے گی، لیکن زمینی حقائق کچھ اور تھے۔ یہودیوں کی قدیم بستی یثرب کو مدینہ منورہ کے نام سے پہلی اسلامی فلاحی ریاست میں تبدیل کردینا اتنا آسان نہ تھا۔ مکّہ مکرّمہ میں آپؐ کے مخالف آپؐ کے اپنے قبیلے کے لوگ تھے، جب کہ آپؐ کے چچا، پھوپھیاں، قبیلہ بنو ہاشم، قبیلہ بنو عبدالمطلب اور حضرت خدیجہؓ کی حمایت میسّر تھی، لیکن مدینہ اَن جان جگہ تھی، جہاں اَن جان لوگ تھے۔ یہاں مخالفت اور دُشمنی کی نوعیت بالکل مختلف تھی۔

ایک طرف اَزلی دُشمن متعصّب یہودی تھے، تو دُوسری طرف یثرب کے نامراد بادشاہ منافقِ اعظم عبداللہ بن اُبی بن سلول کے منافق رفقاء کا ایک طاقت وَر گروہ، اس کے ساتھ ہی بیرونی خطرات، کفّارِ قریش کی ریشہ دوانیاں، اندرونی سازشیں، مہاجرین کے مسائل، انصار کی تربیت،

ریاست کے معاملات، امن و امان کی صورتِ حال، نوجوانوں کی حربی تربیت، تربیتِ دین کا کام، انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات اوریہودیوں سے معاہدے کے بعد آپؐ کے سامنے ایک بڑا مسئلہ منافقین کی شکل میں بھی تھا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جو بظاہر تو مسلمان تھے، لیکن باطنی طور پر مشرک تھے۔

منافقین کی نشانیاں

زبان سے ایمان و اسلام کا اظہار اور دل میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد رکھنا نفاق کہلاتا ہے، یہ نفاق کفر، بلکہ کفر سے بھی بڑھ کر ہے۔ اسی لیے قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ "منافق جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور ان کے لیے آپ کسی کو مددگار نہ پائیں گے۔" (النساء، 145)۔ قرآن کریم نے منافقت کو ایک بیماری بتاتے ہوئے، منافقین کی چند نشانیاں بیان کی ہیں۔

دھوکے باز: ارشادِ باری تعالیٰ ہے "بعض لوگ ایسے بھی ہیں، جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت پر ایمان لے آئے لیکن در حقیقت وہ مومن نہیں ہیں۔ وہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے ساتھ دھوکا بازی کر رہے ہیں۔" (سورۃ البقرہ آیات 8،9)۔

دروغ گو: سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ترجمہ: ''ان (منافقین) کے دِلوں میں (کفر کا) مرض تھا۔ اللہ نے ان کا مرض اور زیادہ کردیا اور کیوں کہ یہ جھوٹے ہیں، لہٰذا ان کو دردناک عذاب ہوگا۔'' (البقرہ آیت۔ 10)۔

فسادی: ''اور جب ان (منافقین) سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ ڈالو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔'' (البقرہ آیت۔ 11) حالاں کہ یہی لوگ مفسد ہیں، لیکن انھیں شعور نہیں ہے۔ (البقرہ آیت۔12)۔

بے وقوف: ''اور جب ان (منافقین) سے کہا گیا کہ جس طرح دُوسرے لوگ سچائی اور خلوص کے ساتھ ایمان لائے ہیں، اسی طرح تم بھی ایمان لائو، تو کہتے ہیں کہ بھلا جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں، کیا اسی طرح ہم بھی ایمان لے آئیں؟ سُن لو یہی بے وقوف ہیں، مگر یہ جانتے نہیں۔'' (البقرہ، آیت۔13)۔

دو غلے: ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ترجمہ: ''اور جب یہ (منافق) مومنوں سے ملتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصل میں تمہارے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے تو ہم ہنسی مذاق کیا کرتے ہیں۔'' (البقرہ آیت۔14) چناں چہ یہ پیدائشی دو غلے ہیں۔

بزدل اور ڈرپوک: سورۂ توبہ میں باری تعالیٰ فرماتا ہے ''یہ (منافقین) خدا کی قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم ہی میں سے ہیں، حالاں کہ وہ ہرگز تم میں سے نہیں ہیں۔ اصل میں یہ ڈرپوک لوگ ہیں۔'' (آیت۔56)۔

باب نمبر 9

عبداللہ بن اُبی بن سلول، رئیس المنافقین، اسلام اور پیغمبرِ اسلامؐ کا بدترین دشمن: قرآنِ کریم نے منافقین کی جو نشانیاں بیان کی ہیں، ان کے مطابق، منافق دھوکے باز، ناقابلِ بھروسا، جھوٹا، فسادی، دوغلا اور بزدل ہوتا ہے۔ حماقت اور بے وقوفی کی لایعنی باتیں کرکے معاشرے میں فساد پیدا کرتا ہے۔ منافقین اللہ تعالیٰ کی ذات کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ اپنے طرز عمل سے خود اپنی ذات کو دھوکا دیتے ہیں۔

وہ اللہ ربّ العزت کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ ہاں، اللہ تعالیٰ انھیں دھوکے کی سزا ضرور دے گا، جو زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت پر ایمان لائے، حالاں کہ وہ ایمان نہیں لائے، گویا اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ منافق، ایک انسان کو تو دھوکا دے سکتا ہے، مگر اللہ کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ بدقسمتی سے آج اُمّتِ مسلمہ کی غالب اکثریت منافقت کی اس خطرناک بیماری میں مبتلا ہو کر اپنی شناخت کھوتی چلی جارہی ہے اور اس بیماری کے سدّباب کے لیے اُمّت کے ہر فرد کو اپنے محاسبے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقلِ سلیم عطا فرمائے۔

نفاق کی ابتدا

نفاق سے مراد ہے ''دل میں شرارت پوشیدہ رکھنا، مگر زبان سے خیر خواہ بننا'' گویا دل میں کُفر ہونے کے باوجود زبان سے اسلام کا اعلان کرنا۔ مدینہ منورہ میں اسلام کا نور پھیلنے کے بعد وہاں کے منافقین نے نفاق کی ابتدا کی۔ نفاق کا ظہور اس بات کی دلیل تھا کہ اب مسلمان اتنے مضبوط ہو چکے ہیں کہ مخالفین ان سے خوف کھانے اور ڈرنے لگے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اصل میں یہ (منافقین) ڈرپوک لوگ ہیں۔'' (سورۃ توبہ آیت۔ 56)۔ منافقین سے متعلق جتنی بھی آیات نازل ہوئیں، وہ سب کی سب مدنی ہیں، کیوں کہ مکّے میں تو نفاق کا امکان ہی نہیں تھا، بلکہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔ وہاں بہت سے ایسے لوگ تھے، جو صدقِ دل سے اسلام قبول کر چُکے تھے، مگر اُسے ظاہر نہیں کرتے تھے۔

اسی طرح جو مشرک اور کافر تھے وہ بھی اپنے کُفر و شرک میں ظاہر اور کھلے ہوئے تھے۔ مدینۂ منورہ ہجرت کے بعد ابتدائی دَور میں بھی نفاق کا وجود نہیں تھا، لیکن جب جنگِ بدر کے نتیجے میں اسلام کا رُعب قائم ہوا، تو منافقین سامنے آئے۔ یہ وہ لوگ تھے، جو دینِ اسلام کی شان و شوکت دیکھ کر مسلمان ہوئے، لیکن اُن کے دل کفر کی آماج گاہ تھے۔ (تاریخِ مدینۂ منورہ، 59)۔

عبداللہ بن اُبی سے نرم رویّہ: ان منافقین کا سردار عبداللہ بن اُبی ابن سلول تھا۔ اس کی اسلام اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دُشمنی کی اصل وجہ یہ تھی کہ جنگِ بعاث کے خاتمے کے بعد اوس اور خزرج قبیلے کے لوگ اس شخص کو مدینے کی حکم رانی کا تاج پہنانے والے تھے، لیکن حضور اکرمؐ کی مدینۂ منورہ تشریف آوری سے اُس کی تمام اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔ اُسے اس بات کا سخت غم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لاکر اُس کی بادشاہی چھین لی ہے۔

عبداللہ بن اُبی بھاری بھرکم ڈیل ڈول کا لمبا چوڑا، تندرست، چالاک اور چرب زبان تھا۔ اس کا شماریثرب کے قبیلے بنو خزرج کے رُؤساء میں ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں عبداللہ بن اُبی ملا۔ اُس نے آپؐ کی شان میں کچھ گستاخی کی۔ یہ بات بنو خزرج کے سردار حضرت سعد بن عُبادہ کے علم میں آئی۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس شخص کے ساتھ نرمی فرمایئے۔ آپؐ کی مدینۂ منورہ تشریف آوری سے پہلے ہم اس کے لیے تاجِ شاہی تیار کررہے تھے۔ اب یہ سمجھتا ہے کہ آپؐ نے اس سے بادشاہی چھین لی ہے۔'' (تفہیم القرآن،509/5)۔

منافقینِ مدینہ سے مشرکینِ مکّہ کا رابطہ

مشرکینِ قریش کو یقین تھا کہ مدینے کے یہود اور اوس و خزرج کے جنگجو مکّہ کے ان باغیوں کو زیادہ دیر مدینے میں رہنے نہیں دیں گے۔ یا تو انہیں مکّہ واپسی پر مجبور کردیں گے، یا وہ وہیں مرکھپ جائیں گے۔ لیکن مدینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فقیدالمثال استقبال، مہاجرین و انصار میں رشتۂ مواخات پھر یہود قبائل کے ساتھ یثاق و معاہدہ، مسلم نوجوانوں کی جنگی تربیت، مدینے کی سرحدوں پر دن رات نگرانی کا انتظام.....آنحضرتؐ کی جانب سے ان تمام اقدامات نے انھیں حیرت زدہ کر دیا تھا

اُن کے لیے یہ بات نہایت تعجب خیز تھی کہ عبدالمطلب کا پوتا، ابو طالب کا بھتیجا، عبداللہ کا بیٹا خاندانِ بنوہاشم کا ایک دُرِّ یتیم، جس کی 53 سالہ زندگی کا ایک ایک لمحہ کُھلی کتاب کی طرح اہلِ قریش کے سامنے ہے، جو امانتوں کا محافظ، صداقتوں کا امین اور امن و سلامتی کاپیام بَر ہے۔ اپنوں کے ظلم و ستم، استہزاء و تحقیر کو صبر و تحمّل سے برداشت کرنے والا، ایذا رسانی، بغض و عناد کے تیر، جورو جفا کے پتھر، طعن و تشنیع کے انگارے، نفرت و عداوت کے شُعلے اور شقاوت و سنگ دلی کے نشتر کھاکر بھی دُعائیں دینے والا، مکّہ کے بازاروں میں اپنے دین کی دعوت دینے والا، قبیلہ بنوہاشم کا چشم وچراغ، ایک بڑی اسلامی ریاست کا حکم ران بن جائے گا۔

قریش کے لیے یہ کسی طور پر بھی قابلِ قبول نہ تھا، پھر ان کی زیادہ تر تجارت کا دارومدار ملک شام اور اس کے اطراف کے شہروں پر تھا، جب کہ شام جانے والے قافلوں کا واحد محفوظ اور آسان راستہ مدینۂ منورہ کی سرحد سے ہوتے ہوئے گزرتا ہے۔ اس راستے پر مسلمانوں کا کنٹرول مکّے کی معاشی بدحالی کا باعث بنتا۔ چناں چہ ابوجہل نے تمام سرداروں کا اجلاس طلب کیا، جس میں طے پایا کہ مدینے کی اسلامی ریاست کو بزورِ شمشیر تباہ کردیا جائے۔ مدینے میں مشرکین کا واحد سہارا عبداللہ بن اُبی تھا، جس کی بادشاہت کے خواب کو مسلمانوں نے چکنا چُور کر دیا تھا۔ یہودیوں سے کوئی اُمید نہ تھی، اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے حلیف بن چکے تھے۔ چناں چہ عبداللہ بن اُبی سے فوری طور پر رابطہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

قریش کا نامہ وپیام، عبداللہ بن اُبی کے نام: مشرکین مکّہ نے عبداللہ بن اُبی کو ایک دھمکی آمیز خط لکھا۔ عبداللہ بن اُبی کا مدینے کے مشرکین اور خاص طور پر اس کے اپنے قبیلے بنو خزرج میں بڑا مقام تھا۔ مشرکین نے عبداللہ بن اُبی کو لکھا ''تم لوگوں نے ہمارے ایک اہم شخص کو پناہ دے رکھی ہے۔ تم لوگ اُن سے لڑکر انھیں اپنے علاقے سے باہر کردو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا، تو ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم پر حملہ کرکے تم سب کو قتل کردیں گے اور تمہاری عورتوں کی حرمت کو پامال کردیں گے۔ اس پر فوری عمل کرکے ہمیں مطلع کرو۔'' (سنن ابی دائود، حدیث۔3004)۔

اور سازش ناکام ہوگئی: عبداللہ بن اُبی نے خط پڑھا تو جیسے اس کی مراد بَر آئی۔ اس نے فوری طور پر اپنے تمام ہم نوائوں کو جمع کرکے قریش کی دھمکی سے آگاہ کیا۔ مدینے کے لوگ، مکّہ کے جنگجوئوں سے بہت خوف بھی کھاتے تھے اور مرعوب بھی تھے، چناں چہ سب نے مدینہ میں موجود مسلمانوں سے جنگ کا فیصلہ کرلیا۔ ابھی عبداللہ بن اُبی ان لوگوں سے فرداً فرداً جنگ کے لیے عہد لے رہا تھا کہ اچانک دروازہ کُھلا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اندر داخل ہوئے۔ عبداللہ بن اُبی ہکّا بکّا رہ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے اس خفیہ اجلاس کا علم ہوچکا تھا۔ آپؐ نے اہلِ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ ''اے مدینے کے لوگو! اگر تم لوگ آج قریش کے دھوکے اور دھمکی میں آگئے، تو بہت نقصان اُٹھائوگے، مدینے کے مسلمان انصار تمہارے ہی بھائی اور بیٹے ہیں۔ کیا تم اپنے ہی عزیزوں کا قتلِ عام کروگے؟'' حضورؐ کی پُراثر گفتگو نے شرکاء کو اپنا ارادہ تبدیل کرنے پر مجبور کردیا۔ عبداللہ بن اُبی اپنی ذلّت کا احساس لیے خاموشی سے باہر نکل گیا، لیکن وہ اپنی گھٹیا حرکتوں سے باز نہ آیا اور اس کی ریشہ دوانیاں جاری رہیں۔ (تاریخ اُمتِ مسلمہ 230/1)۔

مدینے کا دفاعی نظام اور عسکری تربیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تواتر کے ساتھ یہ اطلاعات موصول ہو رہی تھیں کہ قریش، مدینے پر ایک بھرپور حملے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ چناں چہ آپؐ نے انصار و مہاجرین کے چھوٹے چھوٹے گروپ بنا کر اُن کی عسکری تربیت کا آغاز کردیا۔ دفاعی نقطۂ نظر سے قدرت نے مدینۂ منورہ کے گرد ایک حفاظتی حصار بنایا ہوا تھا۔ مدینے کے تین اطراف یا تو پہاڑیاں تھیں یا گنجان آبادیاں اور باغات۔ صرف شمال کی جانب سے شہر میں داخل ہوا جاسکتا تھا، جب کہ مکّہ جنوب میں واقع تھا۔ چناں چہ جنوب سے شمال کی جانب آکر حملہ کرنا نہایت دُشوار، پیچیدہ اور خطرناک تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تجربہ کار جنگجو سپہ سالار کی طرح مسلّح دستے بنا کر سرحدی علاقوں میں گشت اور پہرے کے لیے دن رات کا ایک مربوط نظام قائم فرما کر ہر دستے کا ایک کمانڈر مقرر فرمادیا۔ سپاہیوں اور دستوں کی شناخت کے لیے خفیہ الفاظ و اشارات اختیار فرمائے، نظم و نسق اور ڈسپلن پر خصوصی ہدایات جاری کیں۔ ان مسلّح تربیت یافتہ فوجی دستوں نے جب اپنے کمانڈر کی زیرکمان سرحدی علاقوں پر گشت شروع کیا، تو گرد و نواح کے قبائل، جو خود کو جنگوں کا ماہر کہتے تھے، بڑے مرعوب و متعجب ہوئے۔ انھوں نے اس قدر منظّم فوجی دستے زندگی میں پہلی بار دیکھے تھے۔ یہ دیکھ کر ان میں یہ احساس و شعور پیدا ہوگیا کہ واقعی مدینے میں منظّم اسلامی ریاست وجود میں آچکی ہے۔ (سیرت رحمۃ اللعالمین، ص، 226)۔

حجرۂ رسولؐ پر صحابہؓ کا پہرا: عبداللہ بن اُبی کی ناکامی نے جنگجو کفّارِ مکّہ کو مزید چراغ پا کر دیا تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ ''ہم بہت جلد تمہاری موت بن کر یثرب میں داخل ہوں گے اور تم سب کو عبرت کا نشان بنادیں گے۔'' اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اہلِ قریش کے انتقامی جنون کا اندازہ تھا، ان کے لیے راتوں کو تاریکی میں چُھپ کر قاتلانہ حملے کرنا معمولی بات تھی۔ اسی خدشے کے پیشِ نظر صحابہ کرامؓ عموماً رات میں آپؐ کے حجرے کے باہر پہرا دیا کرتے تھے۔ اُمّ المومنین سیّدہ عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ مدینہ ہجرت کے بعد ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ بے داری میں تھے۔

آپؐ نے فرمایا ''کاش! آج کی رات میرے صحابہؓ میں سے کوئی یہاں پہرا دیتا۔'' وہ فرماتی ہیں کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ابھی ادا ہی ہوئے تھے کہ ہمیں تلوار کی جھنکار سُنائی دی۔ آپؐ نے باآواز بُلند فرمایا ''کون ہے؟'' جواب آیا ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں سعد بن ابی وقاصؓ ہوں۔'' فرمایا ''سعد! کیسے آنا ہوا؟'' انھوں نے جواب دیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے دل میں آپؐ کے حوالے سے خطرے کا اندیشہ ہوا، تو میں پہرا دینے کے لیے چلا آیا۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن کر انھیں دُعائیں دیں اور اطمینان سے محوِ استراحت ہوگئے۔ (صحیح بخاری حدیث۔2885)۔

حفاظت کی ذمّے داری اللہ نے لے لی: سیّدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''صحابہؓ ہر رات حضورؐ کے حجرے کے باہر پہرا دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی ''واللہ یعصمک من النّاس'' (سورۃ المائدہ، آیت۔67)۔ ترجمہ: ''اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔'' اس حکم کے بعد آپؐ نے حجرے سے سر باہر نکالا اور فرمایا ''لوگو! اب تم واپس چلے جائو، کیوں کہ اللہ نے میری حفاظت کی ذمّے داری خود لے لی ہے۔'' (جامع ترمذی، حدیث۔3046)۔

انصار سردار حضرت سعدؓ اور ابوجہل کے درمیان مکالمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کو چند ماہ ہی گزرے تھے کہ انصار کے قبیلے اوس کے سردار، حضرت سعدؓ بن معاذ عُمرے کے لیے مکّۂ مکرّمہ گئے۔ وہ قریش کے مشرک سردار اُمیّہ بن خلف کے مہمان تھے۔ دونوں ایک دُوسرے کے دوست اور تجارتی حلیف بھی تھے۔ ایک سخت تپتی دوپہر کہ جب حرم سُنسان تھا، اُمیّہ انھیں حرم کے طواف کی غرض سے اپنے ساتھ لے کر نکلا۔ اتفاق سے وہاں ابوجہل سے ملاقات ہوگئی۔ اُس نے اُمیّہ سے کہا کہ ''اے ابوصفوان! تمہارے ساتھ یہ اَجنبی کون ہیں؟'' اُمیّہ کو ناچار ان کا تعارف کروانا پڑا۔

ابوجہل نے جب مدینے کے انصار سردار کو اپنے سامنے دیکھا، تو جلال میں آگیا۔ بولا ''مَیں دیکھ رہا ہوں کہ تم یہاں کتنے امن و اطمینان سے طواف کررہے ہو، حالاں کہ تم نے ہمارے یہاں کے

بے دین کو پناہ دے رکھی ہے اور تم سب ہر طرح سے ان لوگوں کی مدد اور حفاظت بھی کرتے ہو۔ سُنو ! خدا کی قسم ! اگر تم ابو صفوان کے ساتھ نہ ہوتے، تو یہاں سے زندہ سلامت اپنے گھر نہیں جاسکتے تھے۔'' حضرت سعدؓ بھی مدینے کے جنگجو قبیلے اوس کے سردار تھے۔ بُلند اور سخت آواز میں بولے ''تُم بھی سُن لو ! خدا کی قسم ! اگر تُم نے مجھے طواف سے روکا، تو میں بھی تمہاری شام کی تجارت خاک میں ملا دوں گا۔'' یاد رہے کہ اُس زمانے میں مکّے سے شام جانے والا ایک ہی راستہ تھا، جو مدینے سے ہو کر جاتا تھا۔

اُمیّہ نے فوری مداخلت کرتے ہوئے حضرت سعدؓ سے کہا ''ان سے اُونچی آواز میں بات نہ کرو، یہ مکّے کے سردار ہیں۔'' حضرت سعدؓ اُس وقت شدید غصّے میں تھے۔ اُمیّہ کی بار بار مداخلت پر انھوں نے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا ''ہٹو یہاں سے، مَیں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ اُمیّہ بن خلف کو ابو جہل قتل کروائے گا۔'' اُمیّہ یہ سُن کر بڑا حیران و پریشان ہوا۔ گھر آکر اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''میرے یثربی بھائی نے مجھے بتایا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ چکے ہیں کہ ابو جہل مجھے قتل کروائے گا۔'' یہ سن کر وہ کہنے لگیں، ''اللہ کی قسم، محمد صلی اللہ علیہ وسلم غلط بات زبان سے نہیں نکالتے''۔

پھر ایسا ہی ہوا کہ اہلِ مکّہ بدر کی لڑائی کے لیے روانہ ہونے لگے، تو ابو جہل نے اُمیّہ کو بھی ساتھ چلنے کو کہا۔ اُمیّہ کی بیوی نے اُسے یاد دلایا کہ ''تمہیں یاد نہیں، تمہارے یثربی بھائی نے تم سے کیا کہا تھا۔'' یہ سُن کر اُمیّہ نے جنگ پر جانے سے انکار کردیا، لیکن ابو جہل بولا ''اُمیّہ، تم وادیٔ مکّہ کے سردار ہو، اس لیے چاہے ایک یا دو دن کے لیے جائو، لیکن تمہیں چلنا ضرور پڑے گا۔'' اس طرح وہ ان کے ساتھ جنگ میں شرکت کے لیے نکلا اور اللہ تعالیٰ نے اسے قتل کروادیا۔ (صحیح بخاری، احادیث۔ 3632، 3950)۔

باب نمبر 10

تحویلِ قبلہ: 15شعبان2ہجری منگل کی دوپہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کے ساتھ مدینۂ منوّرہ کے ایک محلّے، بنو سلمہ میں حضرت بشرؓبن براء بن معرور کے گھر طعام میں شرکت کے لیے تشریف لائے۔ ظہر کے وقت مقامی مسجد میں نماز ادا فرما رہے تھے، دو رکعت مکمل ہوچکی تھیں، تیسری رکعت شروع ہی کی تھی کہ اس دوران تحویلِ قبلہ کا حکم آگیا۔ ترجمہ: ''ہم آپؐ کے چہرے کو بار بار آسمانوں کی جانب اُٹھتا دیکھ رہے ہیں، لہٰذا ہم آپ کا مُنہ اسی قبلے کی جانب پھیر دیتے ہیں، جو آپ کو پسند ہے۔

آپ اپنا مُنہ مسجدِ حرام (کعبہ) کی جانب پھیر لیجیے اور جہاں کہیں بھی ہوں، اپنا رُخ مسجدِ حرام کی طرف کرلیا کریں۔'' (سورۃ البقرہ۔144)۔بیت المقدس مدینہ کے شمال میں، جب کہ کعبۃ اللہ جنوب میں واقع ہے۔ جس مسجد میں یہ واقعہ پیش آیا، وہ مسجدِ نبویؐ کے مغرب میں بئرروما (مدینے کا ایک بڑا کنواں) کے قریب واقع ہے۔ یہ مسجد، مسجدِ قبلتین یعنی دو قبلوں والی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ علامہ عمادالدین ابنِ کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ''یہ واقعہ ہجرت کے دُوسرے سال، رجب میں پیش آیا۔'' (البدایہ والنہایہ 235/3)۔

یہودیوں کا چراغ پا ہونا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً 16 ماہ تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی۔ مکّہ مکرّمہ میں آپؐ مقامِ ابراہیمؑ کے سامنے نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ جس کا رُخ بیت المقدس کی جانب تھا، اس طرح دونوں قبلے سامنے آجاتے تھے۔ مدینے میں اسلام کی ترویج و اشاعت کے بعد اللہ تعالیٰ نے قبلہ تبدیل کردیا۔ یہودی تو پہلے ہی مسلمانوں کے مخالف تھے، لیکن تحویلِ قبلہ نے انھیں سخت چراغ پا کردیا۔ بہت سے منافقین، جو خود کو مسلمان ظاہر کرتے تھے، اُن کے نفاق کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ بیت المقدس سے مُنہ موڑ لینا، یہودیوں کو کسی طور بھی گوارا نہ تھا۔ ضعیف الایمان مسلمانوں کی ایک جماعت بھی معترض نظر آئی۔

ان کے مطابق، قبلہ بدلنے کی چیز نہیں ہوتی، اس سے بے استقلالی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس بِنا پر قبلے کی اصلیت، ضرورت اور تحویلِ قبلہ کے مصالح کے متعلق اللہ تعالیٰ نے چند آیتیں بھی نازل فرمائیں۔ ان آیات میں اللہ نے پہلے یہ بتایا کہ قبلہ خود کوئی مقصود بالذات چیز نہیں ہے۔ اللہ کی عبادت کے لیے پورب، پچھم سب برابر ہیں۔ اللہ ہر جگہ، ہر سمت اور ہر طرف ہے۔ پھر قبلہ کی تعیین کی ضرورت بتائی کہ وہ اختصاصی شعار ہے، جو اصلی اور نمائشی مسلمانوں کو الگ کردیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ نے فرمایا کہ کسی خاص قبلے کی طرف رُخ کرنا اصل ثواب نہیں، بلکہ ثواب درحقیقت ایمان اور اعمالِ صالحہ کا نام ہے۔ (سیرت النبی، علامہ شبلی نعمانی، 188/1)۔

اِذن قتال اور حکمِ جہاد

آغاز میں مدینۂ منوّرہ میں انصار و مہاجرین سمیت مسلمانوں کی تعداد چند سو سے زیادہ نہ تھی۔ مکّے میں تیرہ سال تک ظلم و استبداد، جبر و تشدّد اور رُوح فرسا مصائب جھیلنے کے بعد مکّے سے 450 کلومیٹر دُور دیارِ غیر میں ہجرت سے مسلمانوں کا خیال تھا کہ شاید قریش اب اُن کا پیچھا چھوڑ دیں گے، لیکن اس ہجرت نے قریش کے غیظ و غضب میں مزید اضافہ کردیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پورے ڈیڑھ سال تک صبر و تحمّل کے ساتھ جنگ پر صلح، انتقام پر درگزر اور شر پر خیر کو ترجیح دیتے رہے، لیکن گزرتے وقت کے ساتھ کفّار کا جذبۂ انتقام، جنون کی شکل اختیار کرتا جارہا تھا۔

مسلمانوں کی حمیّتِ دینی انھیں بھرپور جواب دینے کو بے قرار تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا شدّت سے احساس تھا کہ اگر اس وقت مسلمانوں کو حفاظتِ خود اختیاری کے تحت مدافعت کی اجازت نہ ملی، تو کفّارِ مکّہ، یہودی منافقین اور مشرکین آپس میں مل کر ان مُٹھی بھر اہلِ ایمان کا خاتمہ کردیں گے۔ چناں چہ اللہ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی۔ ترجمہ: ''جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے، اُنھیں بھی جنگ کی اجازت دی جاتی ہے، کیوں کہ وہ مظلوم ہیں۔'' (سورۃ الحج، آیت۔ 39)۔ تفسیر ابنِ جریر میں ہے کہ قتال کے

متعلق سب سے پہلی یہ آیت نازل ہوئی۔ ''وقاتلو فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم۔'' (سورۃ البقرہ، آیت۔ 190)۔ ان دونوں آیتوں میں ان ہی لوگوں سے لڑنے کی اجازت ہے، جو پہلے سے مسلمانوں سے لڑتے آئے ہیں، اور اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان درحقیقت لڑنے پر مجبور کیے جاتے ہیں۔ (سیرت النبی، علامہ شبلی نعمانی۔ 193/1)۔

قریش کی چھاپہ مار کارروائیاں: یثرب کا مدینہ میں تبدیل ہونا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل ترین جدوجہد کا ثمر ہے، جس میں خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر کام یابی و کام رانی نصیب ہوئی۔ ویسے تو مدینہ بیرونی خطرات سے محفوظ تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ ہونے کی وجہ سے کفّار کے حملوں کی زَد میں تھا۔ قریش نے مدینہ کو تباہ و برباد کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

اُس کی جانب سے چھاپہ مار کارروائیوں کا آغاز ہوچکا تھا۔ ہجرت کے چند ماہ بعد ہی مکّہ کے ایک رئیس، کرزبن جابر فہری نے مدینے کی چراگاہ پر حملہ کیا اور رات کی تاریکی میں مسلمانوں کے بہت سے اُونٹ ہنکاکر مکّہ لے گیا۔ اس طرح کے واقعات اور قافلوں کو لُوٹنا روز کا معمول بن چکا تھا، چناں چہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے واقعات کے سدِّباب کے لیے چھوٹے

چھوٹے عسکری دستے تیار کیے۔ کرز بن جابر بعدازاں مشرف بہ اسلام ہوئے اور فتح مکّہ کے دن شہید ہوئے۔ (صحیح بخاری۔ 4280)۔

غزوات و سرایا کا آغاز

کفارِ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حفاظتِ خود اختیاری کے تحت مدینے کی سلامتی اور مسلمانوں کی بقا کے لیے جوابی اقدامات پر مجبور کردیا تھا۔ آپؐ نے سو سو، پچاس پچاس صحابہؓ کے دستے بناکر انھیں مختلف مہموں پر روانہ کیا۔ کچھ میں آپؐ خود بھی تشریف لے گئے اور اُن مہمّات میں حصّہ بھی لیا۔ ایسی مہمّات کو غزوات اور سرایا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جس مہم میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس خود شریک ہوئے، اُسے ''غزوہ'' کہتے ہیں، جس کی جمع ''غزوات'' ہے۔ تاہم، یہ ضروری نہیں ہے کہ اس میں دُشمن سے لڑائی بھی ہو، کیوں کہ لشکر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کا سُن کر دُشمن عموماً بھاگ جایا کرتا تھا۔ ''سریہ'' اُس مہم کو کہا جاتا ہے، جس میں آنحضرتؐ نے شرکت نہیں فرمائی اور سریہ کی جمع ''سرایا'' ہے۔

غزوات و سرایا کی کل تعداد: تعداد کے بارے میں مؤرّخین کے درمیان اختلاف ہے۔ ابنِ سعد، طبقاتِ ابنِ سعد میں لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ بن عقبہ بن ربیعہ کی روایت کے مطابق، کُل غزوات 27ہیں۔ جن میں سے 9میں آپ ﷺ نے شرکت فرمائی، جب کہ ''سرایا'' کی تعداد47 ہے۔ اس طرح غزوات اور سرایا کی کُل تعداد 74 بنتی ہے۔ حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے۔ اُن سے پوچھا گیا کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفّار سے کتنی جنگیں لڑیں؟'' انھوں نے فرمایا ''19۔ ''پھر اُن سے پوچھا گیا، ''آپ اُن میں سے کتنے غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے؟'' اُنھوں نے کہا کہ ''17میں۔''(صحیح بخاری۔ کتاب المغازی، حدیث۔3949)۔ اسی حدیث میں ''فتح الباری'' کابیان ہے کہ صحیح روایات کے مطابق ''غزوات کی تعداد21ہے۔'' عین ممکن ہے کہ ابواء اور بواط میں عدم شرکت کی وجہ سے اُنہیں بیان نہیں کیا ہو، کیوں کہ زید بن ارقم اُس وقت چھوٹے تھے۔ (فتح الباری۔ 328/7)۔

اہلِ مغرب کا منفی پروپیگنڈا: سب سے پہلے اس بات کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ 74 غزوات و سرایا کے معنٰی یہ نہیں ہیں کہ ان سب میں دُشمن سے جنگ و قتال ہوا ہو۔ ان میں سے اکثریت اُن غزوات و سرایا کی ہے کہ جن میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہایا گیا۔ مثلاً 27 غزوات میں

سے صرف 9 غزوات ایسے ہیں، جن میں جنگ ہوئی۔ باقی میں کفّار آپؐ کو دیکھ کر یا آپؐ کا نام سُن کر یا تو بھاگ جاتے یا چُھپ جاتے تھے۔

آپؐ غزوہ کی جگہ پر کم از کم تین دن قیام فرماتے اور وہاں قرب و جوار کے قبائل کو اسلام کی دعوت دیتے۔ اس طرح یہ غزوات دُور دراز علاقوں میں اسلام کی دعوت پھیلانے کا ذریعہ بن جاتے۔
اسی طرح اگر ہم 47 سرایا کا کُلی طور پر جائزہ لیں، تو سرحدوں پر گشت، دُشمن کی نقل و حرکت پر نظر، تعلیمی، تبلیغی، دفاعی اور دیگر مختلف اُمور پر بھیجے گئے دستے، انفرادی تصادم اور اجتماعی واقعات یہ سب سرایا کے دائرۂ کار میں شامل ہیں۔

حالاں کہ ایسے سرایا کم ہیں، جن میں قتل کی نوبت آئی۔ مؤرّخین اور اہلِ سِیر کے تحریر کردہ مغازی کی جنگ و جدل سے بھرپور طویل معرکوں کو اہلِ یورپ اور مغرب کے لوگ نہایت دل چسپی اور شوق سے سُنتے اور پڑھتے ہیں۔ ان کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ یہ داستانیں پوری دُنیا میں پھیلیں۔ مغربی مؤرّخین نے ان ہی داستانوں کو غلط معنی و مفہوم دے کر انھیں تلوار کے ذریعے اسلام پھیلانے اور لُوٹ مار کی کارروائیاں قرار دے ڈالا۔ آیئے، ان جنگوں میں ہونے والی اموات کے اعداد و شمار کا جائزہ لیتے ہیں۔

غزوات و سرایا میں قتل و شہید ہونے والے افراد کے اعداد و شمار: دس سالہ مدنی دَور میں 27 غزوات اور 47 سرایا ہوئے۔ ان سب میں شہید ہونے والے مجاہدین کی تعداد صرف 225 ہے، جب کہ 759 کفّار مارے گئے۔ جنگی قیدیوں کی تعداد 6564 رہی۔ عرب کے جنگی قواعد و ضوابط کے تحت ان سب جنگی قیدیوں کو قتل کردینا چاہیے تھا، لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے 6347 جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا۔ 215 کے بارے میں اغلب گمان یہی ہے کہ انھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ صرف 2 قیدی ایسے تھے کہ جنھیں شدید جنگی جرائم کی بناء پر سزائے موت دی گئی۔ (رحمۃ للعالمینؐ، قاضی سلیمان منصور پوری۔ 2/265)۔

اسلامی جنگوں کے بارے میں اہلِ مغرب کا دُہرا معیار

یثرب سے مدینے کے سفر کی جدوجہد کے دوران پیش آنے والی مہمّات اور جنگوں کے اعداد و شمار اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ریاستِ اسلامی کے قیام کے بعد ان دس برسوں میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانی دُشمنوں کے ساتھ صلۂ رحمی اور نیک سلوک کا مظاہرہ کیا۔ اس کے برخلاف ذرا دُنیا میں ہونے والی چند جنگوں کا جائزہ لیں، خواہ وہ منگولوں کی مہم جُوئی ہو یا اسکندر اعظم کی فتوحات، جولیس سیزر، نپولین، ہٹلر کی مہمّات ہوں یا روس و فرانس کے انقلابات۔ امریکا کی سول وار ہو یا جنگِ عظیم اوّل و دوم کی تباہ کاریاں، ہر موقعے پر دُنیا پر قابض بڑی قوتوں کا عجیب متعصبانہ روّیہ نظر آتا ہے۔

حق و باطل آمنے سامنے

مدینۂ منوّرہ کے جنوب مغرب میں130کلومیٹر پر مدینہ سے شام جانے والے راستے میں دُشوار گزار گھاٹیوں کے درمیان ایک صحرائی وادی ہے۔ ایک مشرک سردار بدر بن عاصم نے تجارتی قافلوں کے لیےیہاں ایک کنواں کھدوادیا تھا۔ کچھ عرصے بعد اس کے قُرب و جوار میں بدر نام کی ایک بستی آباد ہوگئی۔ زمانۂ جاہلیت میں یہاں سالانہ میلہ لگا کرتا تھا، جہاں اہلِ عرب جمع ہوتے تھے۔ (طبقاتِ ابنِ سعد۔ 205/1)۔ 17، رمضان المبارک 2ہجری بروز جمعہ علی الصباح، بدر کے میدان میں دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں۔

ایک طرف رئیسِ قریش، مشرکِ اعظم، دُشمنِ رسولؐ ابوجہل بن ہشام ایک ہزار ماہر جنگ جوئوں کے ساتھ خود میدان میں موجود تھا۔ دُوسری طرف 313 مفلوک الحال اللہ کے سپاہی، عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار اپنی گردنوں کو اللہ کی راہ میں کٹوانے کے لیے تیار تھے۔ حق و باطل، اسلام و کفر اور نُور و ظلمت سے سرشار دونوں قوتیں ایک دُوسرے کے مدِّمقابل تھیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ترجمہ:''جو لوگ باہم لڑے، اُن میں تمہارے لیے عبرت کا نشان ہے، ایک خدا کی راہ میں لڑرہا تھا اور دُوسرا منکرِ خدا تھا۔'' (سورۂ آل عمران،

آیت۔13)۔بدری صحابہ کی کُل تعداد 313 تھی، جن میں 82 مہاجرین اور 231 انصار تھے۔(طبقاتِ ابن سعد، 203/1)۔

اپنے ہی جگر گوشے ایک دُوسرے کے مدِّمقابل: صحرائے بدر کے نیلے شفّاف آسمان پر روشن سُورج نے ایسا حیرت انگیز معرکہ پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اپنے ہی جگر گوشے، حق و باطل کے اس معرکے میں برہنہ شمشیروں کے ساتھ آمنے سامنے ہیں۔ اہلِ ایمان کی صفوں میں حضرت صدیقِ اکبرؓ ہیں، تو مدِّمقابل لختِ جگر عبدالرحمٰن ہے۔ اس طرف عمر فاروقؓ ہیں تو کفّار کے سپہ سالاروں میں سگا ماموں ابوجہل بن ہشام اور عاص بن ہشام ہے۔ مجاہدین کی صفوں میں شیرِ خدا سیّدنا علی مرتضیٰؓ ہیں، تو مشرکین میں بھائی عقیل بن ابی طالب ہے۔ صفِ مسلم میں حضرت ابو حذیفہؓ ہیں، تو کفّار کا سالار سگا باپ عتبہ بن ربیعہ ہے۔

اہلِ حق کی صف میں حضرت مصعبؓ بن عمیر ہیں، تو مدِّمقابل ماں جایا ابو عزیز بن عمیر ہے۔ جاں نثارانِ حق کے سالارِ اعظم، سرکارِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تو کفّار کی صفوں میں زبردستی لائے گئے سگے چچا عباس بن عبدالمطلب اور چہیتی صاحب زادی اور گوشہ جگر سیّدہ زینبؓ کے شوہر ابوالعاص بن ربیع ہیں۔ اور پھر چشمِ فلک نے یہ منظر دیکھا کہ اچانک کفّار کی

صفوں میں سے ایک عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم برق رفتاری سے نکلا اور دوڑتا ہوا مجاہدین کی صفوں میں شامل ہوگیا۔

یہ حضرت مصعبؓ بن عمیر ہیں، جب کہ اُن کے سامنے اُن کے والد، سہیل بن عمرو غم و غصّے کی تصویر بنے اپنے سگے بیٹے کو مجاہدین کی صفوں میں آبائو اجداد کے دین کے خلاف جنگ کی تیاریوں میں مصروف دیکھ رہے ہیں اور یہی وہ اسلامی تعلق ہے کہ جس نے خون کے رشتوں کو اَجنبیت میں بدل دیا اور رُوحانی رشتے ہی حقیقی رشتے کہلائے۔ اب حبشہ کا مسلمان بدّو بلالؓ تو اپنا ہے، لیکن بنو ہاشم کا مشرک چچا ابو لہب دُشمن۔ رُوم کا صہیبؓ تو عزیز ہے، لیکن حقیقی بیٹا عبدالرحمٰن اَجنبی۔ فارس کا سلمانؓ تو دوست ہے، لیکن قریش کا اُمیّہ غیر قرار پایا۔

باب نمبر 11

اللہ کے نبی ﷺ بارگاہِ خداوندی میں

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کی صف بندی کا معائنہ فرمایا، پھر اپنے عریش (سائبان) میں جاکر رَبِّ کعبہ کے حضور سربہ سجود ہوگئے۔ آنکھوں سے جاری اشکوں کے درمیان عجز و انکساری اور آہ و زاری کے ساتھ درد بھرے لہجے میں یوں التجا کی۔ ''اے میرے رَبّ ! یہ کفارِ قریش، غرور و تکبّر کے نشے میں سرشار تیری مخالفت میں اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے ہوئے یہاں تک آگئے ہیں۔

اے میرے رَبّ ! تُو اچھی طرح واقف ہے کہ آج اگر یہ مٹھی بھر جماعت بھی ہلاک ہوگئی، تو پھر اس دُنیا میں قیامت تک کوئی تیرا نام لیوا نہ رہے گا۔ پس اے اللہ ! اپنی اس نصرت کو بھیج، جس کا تُونے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔'' یہ رقّت آمیز دُعا سُن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے آپ ؐ کا ہاتھ پکڑلیا اور عرض کیا۔ ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! بس کیجیے، آپؐ نے اپنے رَبّ کے حضور بڑے الحاح کے ساتھ دُعا فرمالی۔ (صحیح بخاری، حدیث، 2915، 3953)۔

رحمتِ الٰہی جوش میں آگئی: سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشکوں نے زمین و آسمان کو ہلا دیا۔ فرشتے بے قرار ہوگئے اور پھر رحمتِ الٰہی جوش میں آئی۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ فوراً زمین پر جائو اور میرے محبوب نبیؐ کو میرا پیغام پہنچا دو ''(اے نبی) میں تمہارے ساتھ ہوں۔ سو، تم ایمان والوں کی ہمّت بڑھائو۔ میں ابھی کفّار کے قلوب میں رُعب ڈالے دیتا ہوں۔'' (سورۂ انفال، آیت۔ 12)۔ اللہ نے پھر مزید وحی نازل فرمائی، ''(اے نبیؐ) میں ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا، جو ایک دُوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے۔'' (سورۂ انفال، آیت۔9)۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوئہ بدر کے دن فرمایا کہ یہ جبرائیل امین ہیں، جو اپنے گھوڑے کا سر تھامے اور لڑائی کا ہتھیار لگائے ہوئے ہیں۔'' (صحیح بخاری حدیث۔ 3995)۔ اور پھر کچھ ہی دیر بعد تاریخِ انسانی کا یہ محیّرالعقول معرکہ کفّارِ قریش کی عبرت ناک اور ذلت آمیز شکست پر اختتام پذیر ہوا۔

وقت کے فرعون عبرت کا نشان بن گئے

مٹھی بھر مفلوک الحال مجاہدین کے تابڑ توڑ حملوں نے مشرکین کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ اور وہ خوف و بدحواسی کے عالم میں اپنے مقتولین کی لاشیں اور لبِ جان زخموں سے چُور

عزیزوں کو تڑپتا چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اس پہلے ہی معرکے میں کفارِ قریش کے تمام نام وَر جنگجو سپہ سالا، اہم سردار اور رؤساء واصلِ جہنّم ہو چکے تھے۔ ابو لہب بیماری کی وجہ سے اور ابوسفیان تجارتی قافلے میں ہونے کی وجہ سے جنگ میں شرکت نہ کرسکے۔ آنحضرتؐ کے حکم پر ابوجہل سمیت 24 نام وَر لوگوں کی لاشیں بدر کے ایک ویران کنوئیں میں پھینک دی گئیں۔ (صحیح بخاری، حدیث۔ 3976)۔

اورابو جہل واصلِ جہنّم ہوا: مشرکینِ مکّہ کے سپہ سالار اور فرعونِ وقت، ابو جہل کو انصار کے دو کم سِن بچّوں نے واصلِ جہنّم کیا۔ یہ دونوں عفراء کے بیٹے تھے۔ (صحیح بخاری، حدیث۔ 3988)۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے کہ یہ دونوں لڑکے ابوجہل کو قتل کرنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے دریافت کیا کہ ''تم میں سے کس نے ابوجہل کو قتل کیا؟'' پھر آپؐ نے دونوں کی تلواریں چیک کیں اور فرمایا، ''واقعی تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے۔'' پھر آپؐ نے اس کا تمام سامان ان دونوں کو دے دیا۔ (صحیح بخاری حدیث۔ 3141)۔

مقتولین و شہداء کی تعداد: اس جنگ میں قریش کے 140 مشرکین کو نقصان پہنچا۔ 70 افراد قتل ہوئے اور 70 ہی گرفتار ہوئے۔ (صحیح بخاری حدیث۔ 3986)۔ 14 صحابہ کرامؓ نے شہادت

پائی، جن میں سے 8 انصار اور 6 مہاجرین تھے۔ یہ صحابہؓ بدر کے میدان میں ایک احاطے کے اندر اپنی قبروں میں آرام فرماہیں۔ (طبقات ابنِ سعد 208/1)۔

قرآنِ کریم میں تذکرہ: قرآن کریم میں اس تاریخ ساز غزوہ کو ''یومِ فرقان'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ سورۃَ انفال میں غزوئہ بدر کے واقعات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

زرِ فدیہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زر فدیہ کے عوض سب قیدیوں کو رہا کردیا۔ جن کے پاس زرفدیہ نہیں تھا، لیکن وہ پڑھے، لکھے تھے، تو مدینے کے دس بچّوں کو پڑھنا لکھنا سکھانا، ان کا فدیہ مقرر کیا گیا۔ (تاریخِ اسلام 146/1)۔ حضور اکرمؐ کے چچا حضرت عباس اور حضرت عقیل بن طالب بھی فدیہ ادا کرکے رہا ہوئے، جب کہ آپؐ نے کچھ کو فدیہ نہ ہونے کی وجہ سے بغیر فدیہ بھی رہا فرمادیا۔

حضورؐ کے داماد ابوالعاص بھی قید میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور آپؐ کی بڑی صاحب زادی، سیّدہ زینبؓ کے شوہر ابوالعاص بن ربیع بھی قیدیوں میں شامل تھے۔ جنھیں ایک انصاری صحابی عبداللہؓ بن جبیر نے

گرفتار کیا تھا۔ زرِ فدیہ کے لیے انھوں نے مکّہ میں اپنی اہلیہ کو پیغام بھجوایا۔ سیّدہ زینبؓ کو اس بات کا اندازہ تھا کہ والدِ محترم اُن کے ساتھ بھی عام قیدیوں جیسا سلوک روا رکھیں گے۔ چناں چہ اگر شوہر کی رہائی مطلوب ہے، تو زرِ فدیہ کا بندوبست کرنا ہوگا۔

اس وقت گھر میں کچھ بھی نہ تھا۔ اور سیّدہؓ کے مسلمان ہونے کی وجہ سے مشرک عزیز، رشتے دار بھی خوش نہ تھے۔ باوفا و باشعار اہلیہ فدیے کی رقم کے لیے پریشانی کے عالم میں سوچ بچار میں مصروف تھیں اور اللہ تعالیٰ سے کسی غیبی مدد کے لیے دُعاگو تھیں کہ اچانک امّاں کا وہ قیمتی ہار یاد آگیا، جو انھوں نے رُخصتی کے وقت اپنے متبرّک ہاتھوں سے پہناتے ہوئے بڑے پیار سے کہا تھا کہ ''بیٹی! میرا یہ ہار تمھیں ہمیشہ ماں کی یاد دلاتا رہے گا۔'' ذہن کے لاشعور میں منقش ان سُنہری یادوں نے دُکھی بیٹی کے ضبط کے سارے بندھن توڑ ڈالے۔ پُرنم آنکھوں میں چُھپے، سفید موتی چھلک پڑے اور پھر بوجھل آنکھوں سے اُمڈتے آنسوئوں نے سیلاب کی صُورت اختیار کرلی۔

امّاں کی یاد نے بے قرار کردیا۔ اور پھر سیّدہؓ کو یاد آیا کہ جب بابا اپنوں اور پرایوں کی دُشمنیوں اور دشنام انگیزیوں سے پریشان ہوکر اُداس اور غم گین گھر آیا کرتے، تو امّاں انؓ سے محبّت بھرے لہجے میں کہتیں، ''آپؐ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ مَیں آپؐ کے ساتھ ہوں ناں۔'' سیّدہ زینبؓ نے خوش گوار یادوں کے درمیان بے اختیار ہار کو چُوم کر آنکھوں سے لگایا۔ آج ماں کی محبّت کی یادگار، یہ ہار ہی شوہر کی رہائی کے کام آرہا ہے۔بیٹیوں کو مائوں کی جانب سے دیئے گئے تحفے خواہ

دُعائوں کی صُورت ہوں یا مال و زَر کی صُورت، کبھی نہ کبھی، کسی نہ کسی آڑے وقت میں کام آہی جاتے ہیں اور پھر نم آنکھوں، لرزتے ہاتھوں سے ماں کے پیار کی وہ نشانی مدینہ روانہ کردی۔

زرِ فدیہ بارگاہِ رسالتؐ میں: عمر بن الربیع اپنے بھائی ابوالعاص کا زرِ فدیہ لے کر بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے ''اے اللہ کے رسولؐ ! میری بھابی زینبؓ بنتِ محمدؐ نے اپنے شوہر کی رہائی کے لیے زرِفدیہ بھیجا ہے۔ قبول فرمایئے۔'' صحابہؓ نے زرِ فدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضورؐ کی نظر مبارک جب اُس اَن مول ہار پر پڑی، تو بے اختیار آنے والی اہلیہ محترمہ کی یاد نے بے قرار کردیا۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت یہ ہار سیّدہ خدیجہؓ کے گلے میں تھا۔ اور جب بڑی بیٹی زینب کی شادی ہوئی، تو ماں نے یہ ہار بڑے پیار سے اپنی بیٹی کو پہنایا تھا۔ ان سب یادوں نے آپؐ پر رِقّت طاری کردی۔ صحابہؓ سے فرمایا کہ ''اگر مناسب سمجھو، تو میری بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دو۔'' صحابہؓ نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے نہ صرف ہار واپس کردیا، بلکہ ان کے شوہر ابوالعاص کو بھی رہا کردیا۔ رہائی کے بعد ابوالعاص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپؐ نے فرمایا۔ ''اے ابوالعاص ! جب تم مکّہ پہنچو، تو ہماری بیٹی کو مدینہ روانہ کردینا''۔

مدینہ منورہ ہجرت کی ایک اور المناک داستان

حضرت ابوالعاصؓ، حضرت زینبؓ کی خالہ حضرت ہالہؓبنتِ خویلد کے بیٹے تھے۔ نہایت سمجھ دار اور شریف النفس انسان تھے۔ انھوں نے اپنے وعدے کا پاس کرتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی، کنانہ بن ربیع کے ساتھ سیّدہ زینبؓ اور دونوں بچّوں علی اور اُسامہ کو مدینہ روانہ کردیا۔ اہلِ قریش کی جانب سے خطرے کے پیش نظر کنانہ نے ہتھیار بھی ساتھ رکھ لیے تھے۔ قریش کو جیسے ہی سیّدہ زینبؓ کے مدینے ہجرت کی اطلاع ملی، انھوں نے ہبار بن اسود کی قیادت میں ایک گروہ تعاقب میں روانہ کردیا۔

جس نے اس مختصر سے قافلے کو وادیٔ ذی طویٰ کے مقام پر جالیا۔ ہبار بن اسود نے سیّدہ زینبؓ کی اُونٹنی کو تیر مارا، تیر کھا کر اُونٹنی گری، تو وہ بھی زمین پر گر گئیں۔ اس وقت سیّدہؓ امید سے تھیں۔ گرنے سے ان کا حمل ضائع ہوگیا۔ پھول جیسے دونوں معصوم بچّے بھی نیچے گر پڑے اور ماں سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگے۔ سیّدہ زینبؓ کبھی اپنی تکلیف کو دیکھتیں اور کبھی خوف زدہ زخمی بچّوں کو سینے سے چمٹاتیں۔ سر پر خون کے پیاسے کفّار کی برہنہ تلواریں تھیں، عجب بے بسی کا عالم تھا۔

رحمتِ دوجہاں، سرکارِ مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نُورِ نظر، اَمّاں خدیجہؓ کے دل کا ٹکڑا، خانوادۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باغ کا مہکتا گلاب، اُمّتِ مسلمہ کی برگزیدہ، باحیا بیٹی کہ جس کی عظمت و حرمت کو فرشتے سلام کریں۔ آج بے یار و مددگار، بے سہارا و بے آسرا ویران صحرا میں اپنے معصوم بچّوں کے ساتھ دُشمنوں کے رحم و کرم پر پڑی ہیں۔ یہ قیامت خیز منظر دیکھ کر زمین و آسمان دَم بخود ہیں۔ مکّے کے سنگلاخ پہاڑوں کے سیاہ پتھر ان مشرکین کے سروں کو کچلنے کے لیے بے تاب ہیں۔ غم و غصّے سے آگ بگولا غضب ناک دہکتا سُورج ان مشرکین کو جلا کر راکھ کردینے کو بے قرار ہے۔ مکّے کی گرم ہوائیں اس ہول ناک منظر کی تاب نہ لا کر کہیں جا چُھپی ہیں۔ فضا میں خوف ناک خاموشی ہے۔ مشرکین بھی خوف زدہ ہیں۔

آسمانوں پر فرشتے بھی اپنے رَبّ کے اشارے کے منتظر ہیں۔ مہربان ربّ کے لیے ان مشرکین کو لمحوں میں نیست و نابود کردینا کون سا مشکل تھا، لیکن رَبِّ کعبہ کے فیصلے عام سوچ سے ماورا ہوتے ہیں۔ اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت اور جاں نثار ساتھیوں کی قربانیوں اور جہدِ مسلسل کی یہ عظیم الشّان داستانیں مستقبل کے سرفروشانِ اسلام کے لیے تاریخ میں محفوظ ہورہی ہیں۔ مصائب و آلام کے کوہِ گراں پر مبنی یہ دل سوز داستانیں تاریخ کا حصّہ بن کر رہتی دُنیا تک حق و صداقت کا پرچم بُلند کرنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں گی۔

سیّدہ زینبؓ بچّوں کے ساتھ زمین پر بیٹھی ہیں، لبوں پر آیتِ مبارکہ کے الفاظ ہیں، (ترجمہ) ''جو لوگ اللہ کی راہ میں صعوبتیں اور مشقّتیں برداشت کرتے ہیں، ہم انھیں اپنا راستہ ضرور دکھاتے ہیں۔'' (سورۃ العنکبوت، آیت۔ 69)۔ کنانہ نے جب بھابی کو زخمی حالت میں زمین پر گرتے اور بچّوں کو بلکتے دیکھا، تو غصّے سے بپھر گیا۔

ایک ہاتھ میں تلوار اور دُوسرے ہاتھ میں تیر لے کر نہایت جوشیلے انداز میں چیخ کر بولا، ''اب اگر تم میں سے کسی ایک میں بھی ہمّت ہے، تو قریب آکر دکھائو، مَیں اپنے تیروں سے تمہارے جسموں کو چھلنی اور اپنی تلوار سے تمہارے جسموں کو تمہاری گردنوں سے محروم کردوں گا۔'' کنانہ بھی قریش کے جنگ جُو نوجوانوں میں سے تھا، اس کا غصّہ اور جلال دیکھ کر لوگ اس کی پہنچ سے دُور ہوگئے۔ (تاریخِ طبری، اُردو حصّہ اوّل، ص 195،196)۔

ابوسفیان کا مشورہ: قریش کے سردار ابوسفیان بھی اطلاع ملنے پر جائے وقوع پر پہنچ چکے تھے۔ انھیں معاملے کی نزاکت کا احساس تھا، وہ جانتے تھے کہ اگر کنانہ کو کچھ ہوا، تو قریش کے اپنے

قبیلوں میں نہ ختم ہونے والی جنگ چھڑ جائے گی اور اگر زینبؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ہوا، تو مسلمان مکّے پر چڑھائی کردیں گے۔

غزوئہ بدر میں شرم ناک شکست کا زخم ابھی تازہ ہی تھا۔ وہ کنانہ کے قریب گئے اور اسے سمجھایا کہ غزوئہ بدر میں بھاری جانی و مالی نقصان کی وجہ سے اہلِ قریش ابھی غم و غصّے میں ہیں۔ تم انہیں علانیہ لے جائو گے، تو یہ اسے بھی اپنی شکست تصوّر کریں گے، تم انھیں ابھی واپس مکّہ لے جائو اور پھر کسی دن خاموشی سے مدینہ لے جانا"۔

سیّدہ زینبؓ بھی زخمی ہونے کی وجہ سے طویل سفر کے قابل نہ تھیں، چناں چہ کنانہ انہیں واپس اپنے بھائی کے پاس مکّہ لے آئے اور چند دن کے علاج کے بعد ایک رات خاموشی سے اُنھیں لے کر مدینہ روانہ ہوگئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ کو پہلے ہی مدینے سے روانہ کردیا تھا۔ وہ بطن کے مقام پر موجود تھے۔ کنانہ نے بھابی زینبؓ اور بچّے ان کے حوالے کیے اور حضرت زیدؓ اپنی مُنہ بولی بہن کو لے کر مدینہ روانہ ہوگئے۔ (تاریخ طِبری، 197/1)۔

حضرت زینبؓ بنتِ رسول اللہ ﷺ کا انتقال

حضرت زینبؓ 2ہجری کو مدینہ آئیں اور اُن کی ہجرت کے چار سال بعد اُن کے شوہر ابوالعاص مدینے آکر مسلمان ہوگئے۔ ہجرت کے دوران پیش آنے والے سانحے کے بعد سیّدہ زینبؓ مستقل بیمار رہنے لگی تھیں اور اس سانحے میں لگنے والے زخم ہی اُن کی وفات کا سبب بنے۔ چناں چہ8ہجری کو 31سال کی عُمر میں اپنے رَبّ سے جا ملیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور اپنے دستِ مبارک سے اپنی لختِ جگر کو جنّت البقیع میں سپردِ خاک کیا۔

حضرت ابوالعاصؓ کو اپنی اہلیہ سے بڑی محبّت تھی، اکثر اُنھیں یاد کرکے آب دیدہ ہو جایا کرتے۔ سیّدہ زینبؓ سے جدائی کا یہی غم اُن کی وفات کا باعث بنا اور حضرت زینبؓ کے انتقال کے چار سال بعد12ہجری کو وہ بھی اس دارِفانی سے کوچ کرگئے۔ (بناتِ طیبات، ص39)۔

باب نمبر 12

دُشمنِ اسلام، ابو لہب کا بدترین انجام

ابو لہب، غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھا، لیکن وہ قریش کی بدر کے میدان میں ہونے والی شرم ناک شکست کو برداشت نہ کرسکا۔ بے عزّتی و بدنامی کے شدید احساس اور انتقام کے شعلوں نے اُس کے جسم میں طاعون کی گٹھلیوں کی شکل اختیار کرلی۔ چناں چہ، جنگ کے سات روز بعد ہی وہ اپنے بدترین انجام کو جا پہنچا۔ اُس کی لاش تین دن تک پڑی سڑتی رہی، جس سے علاقے میں تعفّن پھیل گیا۔ اُس کے بیٹوں نے اہلِ علاقہ کے بُرا بھلا کہنے پر کرائے کے حبشی غلاموں کے ذریعے باپ کی بدبودار لاش ایک گہرے گڑھے میں پھنکوادی اور اُس پر مٹّی ڈالنے کی بجائے اہلِ علاقہ نے دُور سے پتھر پھینکنے شروع کر دیئے، یہاں تک کہ وہ گڑھا اینٹ اور پتھروں سے پاٹ دیا۔ ابنِ اسحاق نے لکھا ہے کہ ''آج تک یہ طریقہ رائج ہے کہ جو بھی اس قبر کے پاس سے گزرتا ہے، اُس پر ایک پتھر ضرور پھینک دیتا ہے۔'' (سیرت ابنِ اسحاق، 428)۔

یثرب کے یہودیوں کا پہلا قبیلہ، جسے شہربدر کیا گیا: قبیلہ بنی قینقاع یہودیوں کا وہ پہلا قبیلہ تھا، جس نے اجتماعی طور پر جنگِ بدر کے بعد اپنا معاہدہ توڑا۔ یہ لوگ شہرِ مدینہ کے اندر ایک محلّے میں

آباد تھے اور چوں کہ یہ سُنار، لوہار اور ظروف ساز تھے، اِس لیے اُن کے بازار میں اہلِ مدینہ کا کثرت سے آنا جانا رہتا تھا۔ اُنھیں اپنی شجاعت و بہادری پر بھی بڑا ناز تھا۔ آہن گر ہونے کی وجہ سے اُن کا بچّہ بچّہ مسلّح تھا، جب کہ قبیلے میں سات سو جنگ جُو مرد موجود تھے۔

یہ لوگ قبیلۂ خزرج کے پرانے حلیف تھے۔ اُنھیں نہ صرف خزرج سے اپنے اس تعلق پر فخر تھا، بلکہ وہاں کا ایک نام وَر سردار، عبداللہ بن ابی سلول اُن کا پشتیبان بھی تھا۔ بدر کے واقعے کے بعد اُن لوگوں نے آنے جانے والے مسلمانوں پر آوازیں کَسنا، خاص طور پر انصار کی خواتین کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کردی۔ رفتہ رفتہ اُن کی جسارت اِتنی بڑھی کہ ایک روز اُن کے بازار میں ایک مسلمان عورت کو سرِعام بے پردہ کر دیا گیا، جس پر سخت جھگڑا ہوا۔ اس ہنگامے میں ایک مسلمان اور ایک یہودی مارے گئے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس واقعے کی اطلاع ملی، تو آپؐ اُن کے محلّے میں تشریف لے گئے اور سب کو جمع کرکے راہِ راست پر آنے، غیراخلاقی حرکات چھوڑنے اور محبّت وپیار سے رہنے کی تلقین فرمائی، مگر جنگ جُو اور بہادر ہونے کے زعم میں اُنھوں نے دھمکی آمیز انداز اختیار کیا اور بولے ''اے محمّد (صلی اللہ علیہ وسلّم)! آپؐ نے ہمیں بھی شاید قریش سمجھ رکھا ہے؟ وہ تو لڑنا نہیں جانتے تھے، اِس لیے آپؐ نے اُن کو مار دیا۔جب ہم سے سابقہ پڑے گا، تو معلوم ہو جائے گا کہ جنگ جُو مرد کیسے ہوتے ہیں۔'' گویا یہ اُن کی طرف سے صاف صاف اعلانِ جنگ تھا۔

مسلمان خاتون کے سرِبازار بے پردہ کرنے کے واقعے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے صبر کاپیمانہ پہلے ہی لب ریز ہوچُکا تھا، اب اوپر سے جنگ کی دھمکیاں بھی دی جا رہی تھیں۔ آخر کار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے شوال 2 ہجری کے آخر میں اُن کے محلّے کا محاصرہ کرلیا۔ ابھی محاصرے کو صرف 15 روز ہی ہوئے تھے کہ پورے قبیلے نے ہتھیار ڈال دیئے، جس پر اُن کے تمام مَردوں کو قید کر لیا گیا۔ اُس وقت کے جنگی اُصولوں کے تحت اُن سب کو قتل کیا جانا تھا، لیکن رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے منافقانہ کردار ادا کرتے ہوئے حضورؐ سے پُرزور اصرار کیا کہ ان سب کو معاف کر دیا جائے۔ اس شخص کا اصرار اس قدر بڑھا کہ رحمۃ للعالمینؐ نے درخواست قبول کرکے یہ فیصلہ فرمایا کہ بنی قینقاع اپنا سب مال، اسلحہ اور آلاتِ صنعت چھوڑ کر مدینے سے نکل جائیں۔(سیرتِ سرورِ عالمؐ، 3/141)۔

2 ہجری کے چند اہم واقعات

* 17رمضان المبارک کو غزوۂ بدر کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی صاحب زادی اور حضرت عثمان غنیؓ کی اہلیہ، حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا۔ * غزوۂ بدر کے بعد ذی الحجہ 2ہجری کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سب سے چھوٹی صاحب زادی، حضرت فاطمہؓ کا حضرت علی

المرتضیٰ ؓ کے ساتھ نکاح ہوا۔ * رمضان کے روزے اور صدقۂ فطر فرض ہوئے۔ زکوٰۃ کے نصاب کا تعین کیا گیا۔ * شوال 2 ہجری کو مسلمانوں نے اپنی پہلی عیدالفطر منائی۔ آنحضرتؐ نے عید کے نماز کی امامت فرمائی۔ اسی سال عیدِ قرباں بھی منائی گئی۔ * غزوۂ قینقاع سے ایک ماہ پہلے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے بظاہر اسلام قبول کرلیا، لیکن عُمر بھر منافق ہی رہا۔ * ذی الحجہ میں غزوۂ سویق، شوال میں غزوۂ قینقاع اور غزوۂ بنی سلیم، رمضان میں سریا عمیر بن عدی اور سریا عالم بن عمیر ہوا۔

ریاستِ مدینہ پر ایک بڑے حملے کی تیاری: ابوجہل، ابولہب اور عتبہ بن ربیعہ کی عبرت ناک موت کے بعد قریش کی سرداری کا تاج ابوسفیان بن حرب کے سر پر رکھا گیا۔ غزوۂ بدر نے قریشِ مکّہ کی ہزاروں برس کی بادشاہت چکنا چُور کردی تھی۔ قریش کا غرور، تکبّر، رعونت و فرعونیت، جاہ و جلال، مکّہ سے بہت دُور، بدر کی ایک ویران وادی کے اندھے کنویں میں دفن ہوچُکا تھا۔ بدر کی شرم ناک شکست جزائرِ عرب میں قریش کی شدید بدنامی، ذلت و رُسوائی کا باعث بنی ہوئی تھی۔

مقتولینِ بدر کے لواحقین کے آتشِ انتقام کے شعلے ہر گزرتے دن کے ساتھ بُلند ہوتے چلے جا رہے تھے۔ مدینے کے منافقین، مشرکین، یہود سمیت اپنوں اور غیروں کے طنز، طعنہ زنی کے

تیروں نے قوم کو ہیجانی کیفیت میں مبتلا کردیا تھا۔ معرکۂ بدر کے بعد سے تجارتی راستے کا بند ہونا اور زرِ فدیہ میں مسلمانوں کو دیئے جانے والے ڈھائی لاکھ سے زاید دینار کی رقم کی وجہ سے اقتصادی صُورتِ حال بھی اَبتر ہوتی چلی جارہی تھی۔ چناں چہ، ابوسفیان نے زبردست تیاری کے ساتھ مدینۂ منوّرہ پر حملے کا فیصلہ کیا۔

غزوۂ اُحد

مدینۂ منوّرہ کے شمال میں پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر، آٹھ کلومیٹر لمبا، تین کلومیٹر چوڑا اور تین سو میٹر بُلند سُرخی مائل خُوب صُورت پتھروں سے مزیّن، جبلِ اُحد شہرِ مدینہ کا قدرتی حصار ہے۔ یہ وہ خوش قسمت پہاڑ ہے، جس کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم فرمایا کرتے تھے، ''اُحد ہم سے محبّت کرتا ہے اور ہم اُحد سے محبّت کرتے ہیں۔'' (صحیح بخاری، احادیث 4083، 2889، 4422)۔ اس پہاڑ کے دامن میں ابوسفیان عرب کے تین ہزار جنگ جُو اور جدید ترین سامانِ حرب کے ساتھ صف آرا، جب کہ اس کے مقابل سات سو مفلوک الحال مجاہدین کا لشکر ہے، جن کی بے سروسامانی کا یہ عالم ہے کہ کسی کے پاس تلوار ہے، تو نیزہ نہیں۔ اگر نیزہ ہے، تو تلوار نہیں۔

لشکرِ اسلام کی تعداد ایک ہزار تھی، جن میں رئیس المنافقین، عبداللہ بن اُبی کے تین سو منافق ساتھی بھی شامل تھے۔ عین لڑائی کے وقت، جب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں، عبداللہ بن اُبی نے بغاوت کردی اور اپنے تین سو منافقین کو لے کر میدانِ جنگ سے واپس ہوگیا۔ چناں چہ، میدانِ جنگ میں مجاہدین کی تعداد سات سو رہ گئی۔ (طبقات ابنِ سعد، 221/1)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے پچاس ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ حضرت عبداللہؓ بن جبیر کی زیرِ قیادت کیمپ سے ڈیڑھ سو میٹر کے فاصلے پر جنوب مشرق میں ایک چھوٹی پہاڑی، جبلِ رماتا پر تعیّنات فرمایا اور سختی سے تاکید فرمائی کہ ''جب تک مَیں خود نہ بُلائوں، اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔'' (صحیح بخاری، حدیث نمبر،3039)۔جنگ شروع ہوئی، تو ابتدا میں مسلمانوں کا پلّا بھاری رہا۔

عرب سورمائوں کے قدم اُکھڑ گئے اور کفّار کے لشکر میں اَبتری پھیل گئی۔ یہ منظر دیکھ کر جبلِ رماتا پر تعیّنات تیر انداز سمجھے کہ لڑائی ختم ہوچُکی ہے، چناں چہ پچاس میں سے چالیس تیر اندازوں نے وہ حسّاس مورچہ چھوڑ دیا (اور مالِ غنیمت لینے نیچے اُتر گئے۔) خالد بن ولید نے، جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، جب مورچہ خالی دیکھا، تو اپنے ایک سو سواروں کے ساتھ اُس سمت سے حملہ کردیا۔ عبداللہ بن جبیرؓ اور اُن کے نو ساتھی لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ جنگ کا پانسا پلٹ چُکا تھا۔ ابوسفیان اور عکرمہ بن ابوجہل نے دو جانب سے دھاوا بول دیا۔ مسلمانوں کو جب

ہوش آیا، تو اُس وقت تک کافی دیر ہوچُکی تھی۔ کفّار کی برہنہ شمشیریں اُنھیں چاروں طرف سے گھیر چُکی تھیں۔

اِسی گھڑی کا ذکر سورۂ آلِ عمران میں یوں ہے کہ ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تم کو پیچھے کھڑے ہوئے بُلا رہے تھے۔'' اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ بارہ صحابہؓ کے سِوا اور کوئی نہ تھا۔ (صحیح بخاری 3039)۔ اس دوران آپؐ کے آس پاس خون ریز لڑائی شروع ہوگئی، آپؐ کے ساتھ نو صحابہؓ تھے، سات انصار اور دو مہاجر۔ پھر ساتوں انصار بھی شہید ہوگئے۔ دو قریش صحابہؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ زخموں سے چُور ہونے کے باوجود آپؐ کے سامنے ڈھال بنے کفّاروں پر تیر برساتے رہے۔ (صحیح بخاری۔ 4060، 4061)۔

اس جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور زخمی ہوا اور دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ (صحیح بخاری۔ 4075، 4076)۔ آنحضرتؐ کے چچا حضرت حمزہؓ سمیت 70 مسلمان شہید ہوئے۔ حضرت حمزہؓ کو وحشی بن حرب نے نیزہ مار کر شہید کیا۔ ابوسفیان کی بیوی، ہند بنتِ عتبہ

نے قریش کی خواتین کے ساتھ مل کر حضرت حمزہؓ اور دیگر شہداء کی لاشوں کا مثلہ اور بے حرمتی کی۔ (تاریخِ طبری 242/1)۔

غزوۂ اُحد کے بعد کے چند اہم واقعات

غزوۂ حمراء الاسد: غزوہ اُحد کے دُوسرے دن صبح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے زخموں سے چُور صحابہؓ کے ساتھ کفّارِ مکّہ کا تعاقب کیا۔ ابوسفیان حمراء الاسد کے مقام پر ٹھہرا ہوا تھا، لیکن اُسے جیسے ہی حضورؐ کے آنے کی اطلاع ملی، وہ اپنی فوج لے کر جلدی سے مکّے کی جانب روانہ ہوگیا۔ (سیرت ابنِ ہشام 31/3)۔

سریہ ابو سلمہؓ: قبیلہ بنو اسد کا سردار خویلد اپنے دو بیٹوں اور قبیلے کے جنگ جوئوں کے ساتھ مدینے پر حملے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے یکم محرّم 4 ہجری کو حضرت ابو سلمہؓ کی قیادت میں 150 مجاہدین کا لشکر روانہ کیا، جس پر کفّار ڈر کر بھاگ گئے اور لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ (طبقات ابنِ سعد، 228/1)۔

واقعہ رجیع: ماہِ صفر 4ہجری کو پیش آیا، جس میں مشرکین نے دس صحابہؓ کو دھوکے سے لے جا کر بے دردی سے شہید کر دیا۔ (صحیح بخاری، 4095)۔

سریہ عبداللہؓ بن انیس: 5 محرّم 4ہجری کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عبداللہؓ بن انیس کو کوہستان عرفہ کے رئیس سفیان بن خالد کی جانب روانہ کیا، جو مدینے پر حملے کے لیے ایک بڑی فوج جمع کر چُکا تھا۔ حضرت عبداللہؓ 18روز مدینے سے باہر رہے۔ واپسی پر خالد کو قتل کر کے اُس کا سر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضورؐ نے اُنھیں ایک عصا عطا فرمایا۔ (طبقات ابنِ سعد 232/1)۔

غزوۂ بنو نضیر: ربیع الاوّل 4 ہجری کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم قبیلہ بنو نضیر سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ اُنھوں نے آپؐ کو شہید کرنے کا خوف ناک منصوبہ بنایا، تاہم اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپؐ کو مطلع فرما دیا، چناں چہ اس پورے قبیلے کو مدینے سے بے دخل کر دیا گیا۔ (سیرت ابنِ ہشام،55/3)۔

غزوۂ نجد: یہ معرکہ ربیع الآخر، 4ہجری میں پیش آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو اطلاع ملی کہ بنو غطفان کے قبیلے بنو صحارب اور بنو ثعلبہ نے مدینے پر چڑھائی کے لیے ایک بڑی فوج صحرائے نجد میں جمع کرلی ہے۔ حضور ﷺ 400 صحابہ کرامؓ کے ساتھ خود تشریف لے گئے، لیکن مخالفین فرار ہو کر پہاڑوں میں چُھپ گئے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ ''اس غزوے میں آپؐ نے صلوۃ الخوف پڑھائی تھی۔''(رحیق المختوم، ص 404)۔

غزوۂ بدر ثانی: ابوسفیان نے غزوۂ اُحد کے روز آئندہ سال بدر کے مقام پر جنگ کا اعلان کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم شعبان 4ہجری کو پندرہ سو صحابہؓ کے ساتھ وہاں پہنچے اور آٹھ دن تک ابوسفیان کا انتظار کیا، لیکن وہ نہ آیا۔ (سیرت ابنِ ہشام 3/61)۔

شوال 4ہجری میں آپؐ نے حضرت اُمّ ِ سلمہؓ سے نکاح فرمایا۔ شعبان 4ہجری میں حضرت امام حسینؓ کی ولادت ہوئی۔ اِسی سال آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو غیر مُلکی زبانیں سیکھنے کا حکم فرمایا۔1 حضرت زید بن ثابتؓ نے پندرہ دن میں عبرانی زبان پر عبور حاصل کر لیا تھا۔

ریاستِ مدینہ کا پانچواں سال

غزوہ دومۃ الجندل: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو اطلاع ملی کہ مُلکِ شام کے قریب دومۃ الجندل کے عیسائی بادشاہ نے مدینے پر حملے کے لیے ایک بڑا لشکر تیار کیا ہے۔ آپؐ ایک ہزار

صحابہؓ کے ساتھ پندرہ راتوں کی مسافت طے کر کے وہاں پہنچے، لیکن آپؐ کی آمد کی اطلاع پا کر وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ (طبقات ابن سعد، 236/1)۔

غزوہ بنی مصطلق: مدینے سے نو منزل کی مسافت پر وادیٔ مریسیع میں یہودیوں کے قبیلے میں خزاعہ کی ایک شاخ، بنو مصطلق آباد تھی۔ آنحضرتؐ کو اطلاع ملی کہ قبیلے کے سردار، حارث بن ابی ضرار نے قریشِ مکّہ کے ساتھ مل کر مدینے پر حملے کے لیے ایک بڑا لشکر تیار کیا ہے۔ تصدیق کے بعد شعبان 5ہجری (کچھ نے 6ہجری لکھا ہے) کو آنحضرتؐ مجاہدین کے ساتھ چشمہ مریسیع پہنچے۔ بنو مصطلق سے جنگ ہوئی۔ دس یہودی مارے گئے اور چھے سو قید کر لیے گئے۔ اُن قیدیوں میں سردار حارث کی بیٹی، جویریہ بھی تھیں، جن سے آپؐ نے نکاح فرمایا اور حقِ مہر کے طور پر اُن کے قبیلے کے تمام چھے سو افراد رہا کر دیئے گئے۔

بعدازاں، اُن کے والد، بھائی اور پورے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا۔ یثرب کے یہودیوں کے اتنی بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنے کا یہ پہلا واقعہ تھا، جس کے بڑے دُور رَس نتائج مرتّب ہوئے۔ اسی غزوے سے واپسی پر واقعۂ افک پیش آیا، جس میں رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے اُمّ المومنین، سیّدہ عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائی تھی۔ بعدازاں، اللہ تعالیٰ نے سورۂ نُور میں سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کی برأت کا اعلان کرتے ہوئے جھوٹی تہمت پر 80 کوڑوں کی سزا مقرّر فرمائی۔

باب نمبر 13

بدی کی قوّتیں ریاستِ مدینہ سے نئی جنگ کے لیے تیار

یثرب سے مدینہ منوّرہ تک، ایک مستحکم اسلامی ریاست کے قیام کا سفر جاری تھا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم ریاستِ مدینہ کے استحکام اور مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کے لیے دن رات مصروفِ عمل تھے۔ آپؐ کی دلی تمنّا اور انتہائی کوشش تھی کہ پورے جزائرِ عرب میں امن و امان قائم ہو جائے، لیکن نبیوں کی قاتل قومِ یہود،بتوں کے پجاری کفّار و مشرکین اور شیطان کے پیروکار منافقینِ مدینہ، گویا بدی کی تمام قوّتیں مسلمانوں کو برداشت کرنے پر تیار نہ تھیں۔ ریاستِ مدینہ کی تباہی و بربادی اب اُن کا مقصدِ حیات تھا۔ انتقام کی آگ نے اُن کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔چناں چہ، سب نے مل کر مدینہ منوّرہ پر بھرپور حملے کی تیاری شروع کر دی۔

غزوۂ خندق

ذی قعدہ، 5 ہجری کی ایک صبح تھی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ گرد و غبار کا ایک بہت بڑا طوفان مدینے پر حملہ آور ہونے کے لیے بڑھا چلا آرہا ہے۔ جاسوسوں نے اطلاع

دی کہ ابوسفیان کی قیادت میں عرب کے تمام قبائل کی مشترکہ فوج کے دس ہزار جنگ جُو ساڑھے چار ہزار اُونٹ، تین سو گھوڑے اور بے شمار سامانِ حرب کے ساتھ نہایت برق رفتاری سے مدینے کی جانب آرہے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرامؓ کی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس طلب فرمایا اور حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر مدینے کے شمال میں کُھلے راستے پر خندق کھودنے کا آغاز فرما دیا۔ بیس دنوں کی شب و روز محنت کے نتیجے میں ساڑھے تین میل لمبی، پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری بیضوی شکل کی خندق وجود میں آگئی۔

اس کے ساتھ جگہ جگہ چوکیاں بنا کر تین ہزار صحابہؓ مورچہ بند ہوگئے۔ اُدھر کفّار کا لشکر پوری قوّت کے ساتھ مدینے پر ہلّہ بولنے کے لیے آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک بڑی خلیج اُن کی راہ میں حائل ہوگئی۔ بڑھتے قدم رُک گئے۔ بنو قریش اس چال سے ناواقف تھے۔ وہ مدینے کا محاصرہ کر کے بیٹھ گئے، لیکن کب تک؟ عیش و عشرت کے عادی کفّارِ مکہ کے لیے یہ سب ممکن نہ تھا۔ پھر یہ کہ اُن کے پاس زادِ راہ بھی چند دن کا تھا۔ مدینے کی سخت ترین سردی برداشت سے باہر تھی۔

اُونٹ، گھوڑے، جانور مرنے لگے، کھانے پینے کا سامان ختم ہونے لگا۔ اپنے گھر سے سیکڑوں میل دُور مایوسی، گھبراہٹ، بیماریوں اور موت کے خوف نے ان کو بدحواس کر دیا۔

محاصرے کو 27 دن ہی ہوئے تھے کہ ایک سرد اور تاریک رات کو تند و تیز آندھی نے تباہی مچا دی۔ اُن کا مال و اسباب تتّربتّر ہوگیا۔ اُونٹ، گھوڑے اور مویشی رَسیّاں توڑ کر بھاگ نکلے، یوں اس قدرتی آفت نے اُنہیں جان بچا کر واپس مکّہ جانے پر مجبور کر دیا۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ اس موقعے پر نبی کریمؐ نے فرمایا، ''اللہ نے ہَوا کے ذریعے میری مدد کی، جب کہ قومِ عاد کو ہَوا سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔'' (صحیح بخاری، 4105)۔ اللہ نے قرآنِ کریم کی 33 ویں سورہ، ''سورۂ احزاب'' میں غزوۂ خندق کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُن لُٹے پٹے لوگوں کو حسرت و یاس کی تصویر بنے واپس جاتے دیکھا، تو فرمایا ''اب یہ ہم پر چڑھائی نہیں کریں گے، بلکہ ہم ان پر چڑھائی کریں گے۔'' (صحیح بخاری، 4110، 4109)۔

یہودی قبیلے بنی قریظہ کی غدّاری

اُمّ المومنین، سیّدہ عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ خندق سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے، تو حضرت جبرائیل امینؑ حاضر ہوئے اور بنی قریظہ کی جانب جانے کا

اشارہ فرمایا، چناں چہ آپؐ نے بنو قریظہ کے خلاف لشکر کشی کی۔(صحیح بخاری، 4117، 2813)۔بنو قریظہ، غزوۂ خندق کے دَوران غدّاری کے مرتکب ہوئے تھے اور اُنھوں نے اپنے ڈیڑھ ہزار جنگ جُوئوں کے ساتھ کفّارِ مکّہ کا ساتھ دیا تھا۔

مسلمانوں کی فوج دیکھ کر بنو قریظہ قلعہ بند ہوگئے، تو مسلمانوں نے اُن کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ کئی ہفتوں پر محیط تھا، جسے یہودی برداشت نہ کر سکے اور ہتھیار ڈال کر باہر آ گئے۔ بنو قریظہ، انصار قبیلے، بنی اوس کا حریف تھا، چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کی قسمت کا فیصلہ بنی اوس کے سردار، حضرت سعد بن معاذؓ پر چھوڑ دیا۔ اُنھوں نے فیصلہ دیا کہ ان کے جنگ جُو مَردوں کو قتل کرکے مال و دولت تقسیم کر دیا جائے۔

مدینہ منوّرہ یہودیوں سے پاک ہوگیا

یثرب سے مدینے تک کے اِس سفر میں اللہ کے نبیؐ نے یہودیوں کے تینوں بڑے قبائل کو غدّاری، سازش، منافقت، بدعہدی کرنے پر جلاوطن کرکے مدینے کی سرزمین کو یہود کے وجود سے پاک فرما

دیا۔ یہ لوگ شہرِیثرب کے تمام تر وسائل پر بلا شرکتِ غیرے قابض تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے یثاقِ مدینہ اِسی لیے کیا تھا کہ یہ لوگ ریاستِ مدینہ میں امن و سکون کے ساتھ رہیں، لیکن یہ قوم باز آنے والی نہیں تھی۔بنو قینقاع سب سے زیادہ بہادر اور مال دار قبیلہ تھا۔

آپؐ نے معاہدے کی بار بار خلاف ورزی پر سب سے پہلے اُسے مدینے سے نکالا۔بنو نضیر کی جسارت کا یہ عالم تھا کہ اُس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو اُس وقت شہید کرنے کا منصوبہ بنایا، جب آپؐ اُن کے سردار کے گھر تشریف فرما تھے۔ غزوۂ خندق کے بعدیہودیوں کے آخری قبیلے،بنو قریظہ کے وجود سے بھی مدینہ منوّرہ کو پاک کر دیا گیا، لیکن یثرب سے مدینے تک کا سفر ابھی جاری تھا۔ مشرکینِ مکّہ ریاستِ اسلام کی راہ میں بہت بڑی رُکاوٹ تھے اور مکّہ مکرّمہ کی مقدّس سرزمین کو ان کے ناپاک تسلّط سے چھُڑوانا نہایت ضروری تھا۔

قریش کے ساتھ معاہدۂ حدیبیہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں مکّہ مکرمہ جا کر عُمرہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا،جس پر آپؐ ذی قعدہ،6 ہجری کی صبح 1400 صحابہ کرامؓ کے ساتھ مکّے کی جانب روانہ ہوگئے۔ آپؐ نے مکّے سے

13 میل کی مسافت پر حدودِ حرم کے قریب حدیبیہ نامی کنویں کے پاس قیام فرمایا۔ (صحیح بخاری، 2732، 2731)۔ قریشِ مکّہ نے آپؐ کو مکّہ مکرّمہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی اور خالد بن ولید کو دو سو جنگ جُوئوں کا لشکر دے کر مکّے سے مدینے جانے والی مرکزی شاہ راہ پر تعیّنات کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے خون خرابے سے بچنے کے لیے کفّار سے ایک معاہدہ کیا، جسے ''صلحِ حدیبیہ'' کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک نے اُسے ''فتحِ مبین'' قرار دیا۔

مکّے کے جگر گوشے مدینے کے سفر پر

صلحِ حدیبیہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے کہ ایک سہ پہر آپؐ کو کفّارِ مکّہ کے تین نام وَر سپہ سالاروں کی آمد کی اطلاع ملی۔ صحابہؓ کے چہروں پر تفکّر و پریشانی کے آثار نمایاں تھے، لیکن آپؐ نے تبسّم فرماتے ہوئے حکم دیا کہ تینوں کو حاضر کیا جائے۔ صحابہؓ نے تینوں کو حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

تینوں نے اپنی تلواریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے قریب رکھیں اور کلمۂ طیبہ پڑھ کر مشرّف بہ اسلام ہوگئے۔ قریش کی فوج کے یہ تین طاقت ور ستون حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت عثمان بن طلحہؓ تھے۔ اس موقعے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا" مکّے نے اپنے جگر گوشے تمہاری جھولی میں ڈال دیئے ہیں۔" (رحیق المختوم، ص، 474)۔

غیر مُلکی سربراہان کو خطوط

یثرب سے مدینے تک کا سفر ابھی جاری تھا۔اِس مقدّس راستے میں آنے والی بہت سی رُکاوٹیں صاف کردی گئیں تھیں، لیکن ریاست کے استحکام کے لیے قرب و جوار کی ریاستوں سے بہتر تعلقات اور اُنہیں اسلام کی دعوت دینا وقت کی بہت بڑی ضرورت تھی۔یہ چھے ہجری کی آخری سہ ماہی تھی کہ جب آپؐ نے رؤسائے عرب اوربیرونی ممالک کے بادشاہوں کو خطوط ارسال فرمائے۔ حضرت وحیہؓ کلبی کو قیصرِ روم کے پاس روانہ کیا۔اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ایلچی کے ساتھ بڑے عزّت و احترام کا رویّہ رکھا۔ خط کی بھی تکریم کی، لیکن نصاریٰ سے دُشمنی کا خوف اور بادشاہت کی لالچ نے اُسے اسلام قبول کرنے سے روکے رکھا۔ حضرت عمروؓ بن اُمیّہ کو حبش کے بادشاہ، نجاشی کے پاس بھیجا۔

اُس نیک دل بادشاہ نے تخت سے اُتر کر استقبال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خط کو چوما، آنکھوں سے لگایا، جوابی خط میں تحریر کیا کہ ''مَیں مسلمان تو بہت پہلے ہوگیا تھا، لیکن اب قبولِ اسلام کا اعلانِ عام کرتا ہوں۔'' حاطبؓ بن ابی بلتعہ کو عزیزِ مصر کے پاس روانہ کیا۔ مِصر اور اسکندریہ کے بادشاہ مقوقش نے آپؐ کے ایلچی کو عزّت و احترام سے ٹھہرایا۔ خط کا مؤدبانہ جواب تحریر کیا۔ ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں کچھ تحائف روانہ کیے، جن میں خلعت، ایک سفید خچّر اور شاہی خاندان کی دو خواتین ماریہ اور سیرین تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے سیرین کو حضرت حسّانؓ بن ثابت کو ہبہ کر دیا، جب کہ حضرت ماریہ قبطیہؓ کو مسلمان کرکے اپنے عقد میں لے لیا۔ آپؐ کے چھوٹے صاحب زادے، حضرت ابراہیمؓ ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ (سیرتُ النّبی، علّامہ شبلی نعمانی، 282/1)۔ حضرت عبداللہؓ بن حزافہ کو شاہِ ایران، خسرو پرویز کی جانب روانہ کیا۔ شاہِ ایران نے اُن کے ساتھ گستاخانہ سلوک کرتے ہوئے خط پھاڑ ڈالا۔

جب حضورؐ کو علم ہوا، تو آپؐ نے فرمایا'' اللہ اس کی بادشاہت کو بھی اسی طرح چاک کر دے گا۔''، چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ خسرو کے بیٹے نے اپنے باپ کو قتل کیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔

(تاریخِ طبری، 354/1)۔ خطوط کا یہ سلسلہ 6 ہجری سے 10 ہجری تک جاری رہا۔ ایک اندازے کے مطابق اس عرصے میں آپؐ نے بادشاہوں اور رئیسوں کو 250 خطوط لکھے۔ (سیرت سرورِ عالم، 257/3)۔

یہودیوں کی جنّت، خیبر

مدینہ منوّرہ کے شمال میں دو سو کلومیٹر کی مسافت پر خیبر نام کا ایک سرسبز و شاداب شہر ہوا کرتا تھا۔ مدینے سے جلاوطن کیے جانے والوں کی اکثریت خیبر منتقل ہوئی۔ یوں یہ جگہ مسلمانوں کے خلاف سیاسی اور جنگی سازشوں کی گڑھ بن چُکی تھی۔ اُن کا رابطہ مشرکینِ مکّہ سے بھی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم مدینے سے ساڑھے چار سو کلومیٹر دُور حدیبیہ کے مقام پر کفّارِ قریش کے ساتھ مصروف تھے۔ ایسے میں موقع غنیمت جان کر خیبر کے یہودیوں نے مدینے پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم مدینہ واپس تشریف لائے، تو یہودیوں کی سازش اور حملے کی خبریں گردش کر رہی تھیں۔

چناں چہ 7 محرم، 7 ہجری کو آپؐ 1400 صحابہؓ کے ساتھ خیبر کی جانب روانہ ہوگئے۔ وہاں یہودیوں کے آٹھ نہایت مضبوط اور ناقابلِ تسخیر قلعے تھے۔ مسلمان کئی دنوں سے اُن کا محاصرہ

کیے ہوئے تھے، لیکن اُنھیں فتح نہ کر پائے تھے۔ ایک صبح آپؐ نے جنگ کی قیادت سیّدنا علی المرتضیٰؓ کے حوالے فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اُنھیں تاریخی فتح نصیب فرمائی۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے قلعے کا بھاری دروازہ اپنی پیٹھ پر اُٹھا لیا، جس کے بعد مسلمان قلعے میں داخل ہوگئے۔ مؤرّخین لکھتے ہیں کہ جب اس دروازے کو گھسیٹ کر دُوسری جانب ڈالنے لگے، تو آٹھ آدمیوں سے بھی نہ ہل سکا۔ یہ شہر، یثرب کے یہودیوں کی آخری پناہ گاہ تھی۔

قیصرِ روم کے ایوان لرز اُٹھے

خیبر کی عبرت ناک شکست نے یہودیوں کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی، لیکن قیصر و کسریٰ کے ایوانوں سے آنے والی خبروں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو متفکّر کر دیا تھا۔ آپؐ نے حضرت حارثؓ بن عمیر کو قاصد بنا کر شاہِ بصرہ کے پاس بھیجا۔ راستے میں اردن کی سرحد کے نزدیک بیت المقدِس سے دو دن کی مسافت پر واقع وادیٔ موتہ میں قیصرِ روم کے گورنر، شرجیل بن عمرو نے اُنہیں شہید کر دیا۔ حضورؐ کو اس کا بے حد دُکھ ہوا۔ آپؐ نے حضرت زید بن حارثہؓ کی امارت میں

تین ہزار صحابہؓ کا ایک لشکر روانہ کیا اور فرمایا کہ ''اگر زیدؓ قتل ہو جائیں، تو جعفرؓ امیر ہوں گے اور اگر یہ بھی قتل ہو گئے، تو عبداللہ بن رواحہؓ امیر ہوں گے۔'' (صحیح بخاری، 4261)۔

مسلمان 1100 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر جب وہاں پہنچے، تو قیصرِ روم ایک لاکھ آہن پوش جنگ جُوئوں اور ایک لاکھ قبائلی فوجیوں کے ساتھ مسلمانوں کے استقبال کے لیے تیار کھڑا تھا۔ اِتنی بڑی فوج سے مقابلہ مسلمانوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ دونوں فوجوں میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔دُنیا کی سب سے بڑی اور مضبوط بادشاہ کی ٹڈّی دَل فوج سے اُن کی اپنی سرزمین پر جا کر ٹکرا جانا، وہ محیّر العقول واقعہ ہے، جس نے یہود و نصاریٰ سمیت پوری دُنیا کو انگشت بدنداں کر دیا۔

اُدھر سیکڑوں میل دُور مسجدِ نبوی میں تشریف فرما اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم، صحابہؓ کو میدانِ جنگ کا حال بیان فرما رہے ہیں کہ ''زیدؓ نے جھنڈا لیا اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، جھنڈا جعفرؓ نے لے لیا، وہ بھی شہید ہو گئے، پھر جھنڈا ابنِ رواحہؓ نے اُٹھایا، مگر وہ بھی شہید ہو گئے۔ اب جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک نے لے لیا اور اللہ نے اُن کو فتح عطا فرمائی۔'' (صحیح بخاری، 4262، 3757، 1246)۔ اُس وقت کمان حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس

تھی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ خود فرماتے ہیں کہ ''جنگِ موتہ کے دن میرے ہاتھوں سے نو تلواریں ٹُوٹیں، پھر میرے پاس صرف ایک چھوٹی سی تلوار بچی۔'' (صحیح بخاری، 4265)۔

اسلامی انقلاب دُنیا کی دہلیز پر

جمادی الاوّل 8 ہجری کو اہلِ روم کے گھر کی دہلیز، وادیٔ موتہ میں قیصرِ روم کی فوج سے ہونے والا معرکہ، یثرب سے مدینے تک کی اسلامی ریاست کے مقدّس سفر کا وہ حصّہ تھا، جس نے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں لرزہ طاری کر دیا اوریہی وہ عظیم معرکہ تھا، جس نے پوری دُنیا میں اللہ کی حاکمیت قائم کرنے کے لیے نئی راہیں کھولیں۔

باب نمبر 14

ریاستِ مدینہ کے حُکم ران، فاتح کے رُوپ میں

کفّارِ مکّہ کی جانب سے معاہدۂ حدیبیہ کی مسلسل خلاف ورزیوں اور بدعہدیوں کے باعث اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے غزوۂ مکّہ کی تیاری کا حکم دے دیا۔10 رمضان المبارک،8 ہجری کی صبح سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی قیادت میں دس ہزار مجاہدینِ اسلام مدینہ منوّرہ سے رُخصت ہوئے۔ منگل 17 رمضان کی صبح یہ عظیم لشکر وادی ذی طویٰ پہنچا، جہاں آپؐ نے لشکر کی ترتیب و تقسیم فرمائی۔کفّارِ مکّہ، مجاہدین کی اِتنی بڑی تعداد دیکھ کر دہشت اور خوف کے مارے اپنے گھروں میں قید ہوگئے۔ حضور ﷺ کے حکم کے مطابق، اسلامی فوج تین جانب سے مکّہ مکرّمہ میں داخل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُونٹنی، قصواء پر رونق افروز تھے اور پیچھے حضرت اسامہؓ سوار تھے۔

آپؐ مکّہ کے بالائی علاقے، کداء کی جانب سے شہر میں داخل ہوئے۔(صحیح بخاری، 4289، 4290، 4291)۔یہ وہی مقدّس شہر ہے کہ جس کے لوگوں نے اللہ کے رسولؐ کو رات کی تاریکی میں ہجرت پر مجبور کر دیا تھا اور آج وہ اسی شہرِ جاناں کے ایک روشن دن حُکم راں کی حیثیت

سے جلوہ افروز ہو رہے ہیں۔ حرمِ کعبہ میں داخل ہوتے ہی آپؐ نے سب سے پہلے حجرِ اَسود کو بوسہ دیا، بیتُ اللہ کا طواف فرمایا اور وہاں موجود تین سو ساٹھ بُتوں کو اپنی کمان کے اشارے سے گرایا۔

اِس دَوران کعبے کے اطراف ہزاروں لوگ جمع ہو چُکے تھے، یہ سب شرمندہ چہروں کے ساتھ اپنی قسمتوں کا فیصلہ سُننے کے لیے بے تاب تھے۔ ان میں وہ ظالم و جابر سردارانِ مکّہ، امراء، رؤسا بھی شامل تھے، جن کے ہاتھ معصوم مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے تھے۔ وہ سفّاک ہم سائے بھی تھے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راستوں میں کانٹے بچھاتے تھے۔ اُن میں وہ درندہ صفت بھی تھے، جو مسلمانوں کو اذیّتیں دیتے، اُن کے جسموں کو دہکتی آگ سے داغتے، گلے میں رسّا ڈال کر بازاروں میں کھینچتے۔

ایک ایک کے چہرے پر لکھی ان کے ظلم و جبر کی داستان سرکارؐ کی نگاہوں کے سامنے تھی، جس کے عوض موت کی سزا بھی اُن کے لیے کم تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبے کے دروازے سے مجمعے پر ایک طائرانہ نظر ڈالی، تو چشمِ مبارک سے نکلتی نُور کی شعائوں نے فضا میں قوسِ قزح کے رنگ بکھیر دیئے۔ ہزاروں کے مجمعے کو سانپ سُونگھ گیا۔ اللہ کے محبوبؐ کی رُوح پرور آواز مکّے کے دَر و دیوار میں گونجی اور لوگوں کے دِلوں کی دھڑکنیں بے قابو ہوگئیں۔ اللہ کی

حمد وثنا کے بعد آپؐ نے فرمایا ''اے مکّہ کے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ آج مَیں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟''۔

اگرچہ کفّارِمکّہ ظالم اور بے رحم تھے، لیکن مزاجِ نبویؐ سے واقف تھے، تو پکار اُٹھے ''آپؐ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔'' جواباً سرکارِ کائنات، رحمت للعالمینؐ کے متبسّم رُخِ انور سے پیار و محبّت، شفقت اور رحمت میں ڈُوبے لفظوں کے پُھولوں نے فضا کو معطّر کر دیا، فرمایا ''مَیں تم سے وہی بات کرتا ہوں، جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کی تھی، ''آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ، تم سب آزاد ہو۔'' موت کے خوف سے لرزہ براندام کفّار کے لیے یہ اعلان نئی زندگی کی نوید تھی۔ (طبقات ابنِ سعد، 283/1)۔ آپؐ نے مکّے کے ایک قریشی نوجوان، حضرت عتابؓ بن اسید کو مکّے کا والی مقرّر فرمایا۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مکّہ معظّمہ میں 19 دن قیام فرمایا اور اس عرصے میں قصر نماز ادا فرمائی۔ (صحیح بخاری، 1080، 4298)۔

شہرِ مدینہ کی طرف واپسی کا سفر

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ شہر کو بُتوں سے پاک کرنے اور حرم شریف کے انتظامات وغیرہ میں مصروف تھے کہ اطلاع ملی کہ بنو ہوازن کے سردار، مالک بن عوف نے بنو ثقیف اور

دیگر قبائل کے ساتھ مل کر جنگ جوئوں کا ایک بڑا لشکر مکّے پر حملے کے لیے تیار کر لیا ہے۔ چناں چہ ،آپؐ دس ہزار انصار و مہاجرین اور دو ہزار نو مسلم قریش کو لے کر 6 شوال، 8 ہجری کو مکّے سے تین دن کی مسافت پر وادیٔ حنین پہنچے۔ یہاں گھمسان کی جنگ ہوئی، جو غزوۂ حنین کے نام سے مشہور ہے۔ (سیرت ابنِ اسحاق، ص، 673)۔

کفّار کی فوج کا سپہ سالار، مالک بن عوف میدانِ جنگ سے بھاگ کر طائف کے ایک قلعے میں بند ہوگیا، توآپؐ مجاہدین کے ساتھ خود طائف تشریف لے گئے اور قلعے کا محاصرہ کر لیا، جو دو دن تک جاری رہا، اس دوران دونوں جانب سے شدید تیر اندازی کی جاتی رہی۔ ان دونوں غزوات سے فارغ ہو کر آپؐ نے عُمرہ ادا فرمایا۔ بعدازاں، مکّہ مکرّمہ اور اس کے قرب و جوار کے معاملات سے مطمئن ہو کر آپؐ نے مدینہ منوّرہ واپسی کا قصد فرمایا۔ 24ذی قعدہ، 8 ہجری کو آپؐ اپنے محبوب شہر مدینہ منوّرہ تشریف لے آئے۔ فتحِ مکّہ سمیت دیگر تمام معاملات کی تکمیل میں دو ماہ،16 دن صَرف ہوئے۔ اس عرصے میں حضرت ابو رہم غفاریؓ مدینے کے امیر کے فرائض انجام دیتے رہے۔ (تاریخ اُمّتِ مسلمہ جلد1 صفحہ 357)۔

یثرب سے مدینے تک کے سفر کا نواں سال

اہلِ مغازی 9 ہجری کو ''عام الوفود'' کے نام سے یاد کرتے ہیں، لیکن وفود کے ذکر سے پہلے ہم آنحضرتؐ کی حیاتِ مبارکہ کی آخری جنگی مہم کا ذکر کریں گے، جو تاریخ میں غزوۂ تبوک کے نام سے مشہور ہے۔ تبوک شہر، مدینہ منوّرہ اور دمشق کے درمیان مدینے سے 387 میل (623کلومیٹر) کی مسافت پر واقع ہے، جہاں قیصرِ روم کی حکومت تھی، جو رُوئے زمین پر دُنیا کی سب سے بڑی فوجی قوّت تھی۔ یہ وہی قیصرِ روم ہے، جس نے پہلے آنحضرتؐ کے سفیر حضرت حارثؓ بن عمیر کو شہید کرایا، پھر موتہ کے مقام پر گھمسان کی جنگ میں حضرت زیدؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ شہید ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو اطلاع ملی کہ قیصرِ روم، ہرقل نے عربوں، نصرانیوں، اعرابیوں، بدوئوں اور رومیوں پر مشتمل ایک بڑی فوج تیار کی ہے اور وہ کسی بھی وقت مدینے کی جانب پیش قدمی کرنے والا ہے۔ اُس وقت مدینے میں شدید گرمی تھی اور شہری قحط سے دوچار تھے۔ کھجوروں کے پکنے کا موسم تھا، لیکن ان سب مشکلات کے باوجود حضورﷺ تین ہزار صحابہ کرامؓ کے لشکرِ عظیم کو لے کر تبوک کی جانب روانہ ہوگئے۔

پندرہ دن کی مسلسل مسافت کے بعد رجب، 9 ہجری کو آپؐ تبوک پہنچے، تو قیصرِ روم کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ مسلمانوں کے بادشاہ بنفسِ نفیس خود ان کی سرحدوں تک پہنچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس پر خوف طاری کر دیا اور وہ میدانِ جنگ سے فرار ہوگیا، جب کہ اُس کے فوجی بھی تتّر بتّر ہوگئے۔ آنحضرتؐ نے تبوک میں 20 دن قیام فرمایا۔ اس دوران قرب و جوار کے قبائل خدمتِ اقدسؐ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوتے رہے۔ پندرہ دن واپسی کے سفر میں لگے، یوں آپؐ 50 دن بعد ماہِ رمضان میں مدینہ تشریف لے آئے۔ (تاریخِ اسلام، 225/1)۔

جزائرِ عرب کے گوشے گوشے سے وفود کی آمد

غزوۂ تبوک سے واپس آتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس عرب کے گوشے گوشے سے وفود کی آمد کا تانتا بندھ گیا۔ لوگ اللہ کے دین میں فوج دَر فوج داخل ہو رہے تھے، یہاں تک کہ وہ اسلامی لشکر، جو فتحِ مکّہ کے موقعے پر دس ہزار سپاہ پر مشتمل تھا، اُس کی تعداد چند ماہ بعد ہی غزوۂ تبوک کے موقعے پر تیس ہزار فوجیوں کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر میں تبدیل ہوگئی۔

پھر ہم حجۃ الوداع میں دیکھتے ہیں کہ ایک لاکھ، چوالیس ہزار اہلِ اسلام کا سیلاب اُمنڈ پڑا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ اِس طرح لبّیک لبّیک پکارتا، تکبیر کہتا اور حمد و ثنا کے نغمے گنگناتا

بڑھتا ہے کہ آفاق گونج اُٹھتے ہیں اور وادی، کوہسار نغمۂ توحید سے معمور ہو جاتے ہیں۔ اہلِ مغازی70 سے زیادہ وفود کا ذکر کرتے ہیں۔ (رحیق المختوم، 597)۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے الوداعی ملاقات

مدینہ طیبّہ کی ایک حَسین اور پُرنور صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر رُخصت کرتے ہوئے فرمایا ''اے معاذؓ! ہو سکتا ہے کہ تم سے دوبارہ ملاقات نہ ہو بلکہ غالباً واپسی پر تم میری اِس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے۔'' حضرت معاذؓ یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی جُدائی کے خیال سے رونے لگے اور پھر ایسا ہی ہوا۔ حضرت معاذؓ جب واپس آئے، تو صحابہؓ نے دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلُم کی قبرِ اَطہر پر کھڑے زار و قطار رو رہے ہیں۔ (تاریخ ابنِ کثیر، 5/146)۔

سونپا گیا کام تکمیل پا چکا

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے ذمّے سونپے گئے کام کی تکمیل فرما چُکے تھے۔ جبلِ نُور سے طلوع ہونے والی روشن کرنوں نے پورے جزیرۃ العرب کو منوّر کر دیا تھا۔ غارِ حرا سے فضائوں میں پھیلنے والی مسحور کُن خوش بُوئوں سے رُوئے زمین معطّر ہو چُکی تھی۔ مسجدِ نبویؐ کے صحن میں جنم لینے والی ایک کم زور سی ریاست آج دس لاکھ مربع میل سے زیادہ رقبے پر پھیل چُکی تھی۔ یہ ریاست ایک طرف روم کی سرحدوں تک، تو دُوسری طرف عراق کے سبزہ زاروں سے عدن کے بیابانوں تک قائم ہو چُکی تھی کہ جہاں کے دشت و جبل، دریا و صحرا، ثمر و شجر اللہ اکبر کی رُوح پرور صدائوں سے گونج رہے ہیں۔

ابھی کل ہی کی تو بات ہے کہ جب مکّے کی ایک تاریک، سرد اور اُداس رات کے پہلے پہر خون کے پیاسوں کا محاصرہ توڑ کر اَن جان راہوں کے دو مسافر اپنوں سے چُھپتے چُھپاتے خاموشی سے دبے پائوں غیروں کی جانب چلے جا رہے تھے۔ کائنات کی ہر شے انگشت بدنداں ہے کہ یہ کیسی تعلیم ہے، یہ کیسا انقلاب ہے اور یہ کیسا کرشمہ ہے کہ صرف دس سال کے مختصر سے عرصے میں اللہ کا ایک برگزیدہ بندہ بنی نوعِ انسان کا نجات دہندہ بن کر آیا اور اپنے بلند و اعلیٰ اخلاق، پاکیزہ سیرت، اَوصافِ حمیدہ اور تعلیماتِ قرآنی کی بدولت حیاتِ انسانی میں ایک ایسا عظیم انقلاب برپا کر گیا کہ جس نے تاریخ کا دھارا ہی موڑ دیا۔ ایک ایسا انقلاب، جس نے سوچنے سمجھنے کے انداز بدل ڈالے۔

باب نمبر 15

سورۂ نصر کا نزول اور رحلت کا اشارہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے 80دن پہلے سورۂ نصر نازل ہوئی۔ ترجمہ: ''جب اللہ کی مدد آگئی اور مکّہ فتح ہوچکا اور آپؐ نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول اللہ کے دین میں داخل ہورہے ہیں، تو اپنے پروردگار کی تسبیح پڑھیں اور استغفار کریں۔'' مقاتل کی روایت میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی، تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ کے سامنے اس کی تلاوت فرمائی۔ سب اسے سُن کر خوش ہوئے کہ اس میں فتحِ مکّہ کی خوش خبری ہے، لیکن حضرت عباسؓ رونے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب دریافت کیا، تو حضرت عباسؓ نے عرض کیا کہ اس میں تو آپؐ کی وفات کی خبر مضمر ہے۔ آنحضرتؐ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ (معارف القرآن، 837/8، صحیح بخاری، 4969،4970)۔

مدینہ منورہ سے مکّہ مکرمہ تک کا مقدّس سفر

حجۃ الوداع: نبی آخر الزماں ﷺ کو جس عظیم مقصد کے لیے دُنیا میں مبعوث فرمایا گیا تھا، وہ کام یابی کی منازل طے کرچکا تھا۔ بدی کی طاغوتی قوتیں شکست کھا چکی تھیں۔ شیطان ذلیل و رُسوا

ہوچکا تھا۔ حق و انصاف پر مبنی ایک مضبوط مسلم معاشرے کی تعمیر عمل میں آچکی تھی اور اب 23سالہ روز و شب کی انتہائی کٹھن، محنت و مشقّت کا ثمر، سرسبز و شاداب لہلہاتا گل و گل زار اپنے جاں نثاروں کے سپرد کرکے رَبِّ کعبہ کے حضور پیش ہونے کا وقت آچکا تھا۔ آپؐ نے حج کے لیے روانگی کا اعلان فرمایا۔ شمعِ حق کے پروانے جوق دَر جوق سفرحج کے لیے جمع ہونا شروع ہوگئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک لاکھ چوبیس ہزار جاں نثارانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، قافلۂ عظیم کی صورت میں26 ذی قعدہ، بروز منگل بعد نمازِ ظہر تمام ازواجِ مطہرات کے ساتھ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں تلبیہ کا ورد کرتا ہوا مکّے کی جانب روانہ ہوئے۔

سفید احرام میں ملبوس، حدِ نظر انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا کہ جس کی صدائے لبیک سے دشت و جبل،بیابان و صحرا گونج رہے تھے۔ زمین و آسمان نے ایسا رُوح پرور منظر پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔8 دن کے سفر کے بعد یہ قافلۂ سرفروشاں وادیٔ ذی طویٰ پہنچا۔ رات قیام کے بعد دُوسرے روز اتوار 4 ذی الحجہ، بعد نمازِ فجر غسل فرما کر جانبِ کعبہ روانہ ہوئے۔ بروز جمعرات 8 ذی الحجہ، بعد نمازِ فجر منیٰ تشریف لے آئے۔9ذی الحجہ کی صبح سُورج کے طلوع ہونے کے بعد عرفات کی جانب کوچ فرمایا۔ وہاں پہنچ کر وادیٔ نمرہ میں ایک خیمے میں قیام فرمایا۔ جب سُورج ذرا ڈھل گیا، تو ناقہ قصواء (حضور اکرمؐ کی اونٹنی) پر رونق افروز ہوکر میدانِ عرفات میں تشریف

لائے۔ نظریں اُٹھائیں تو سامنے اِنسانوں کا عظیم سمندر تھا، جس کی موجوں میں سکوت کا عالم تھا۔ سب ہمہ تن گوش تھے۔

پھر اچانک نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمان افروز آواز نے فضا میں قوسِ قزح کے رنگ بکھیر دیئے۔ ہر شے معطّر ہوگئی۔ ''لوگو! میری بات سُن لو، کیوں کہ میں نہیں جانتا، شاید اس سال کے بعد اس مقام پر تم سے کبھی نہ مل سکوں۔ تمہارا خون اور تمہارا مال، ایک دُوسرے پر حرام ہے۔ ہر مسلمان دُوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا، تو اس کے بعد ہرگز گم راہ نہ ہوگے اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔ لوگو! یاد رکھو، میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی اُمّت نہیں، لہٰذا اپنے رَبّ کی عبادت کرنا۔

پانچ وقت نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، خوشی خوشی اپنے مال کی زکوٰۃ دینا، حج کرنا، حکم رانوں کی اطاعت کرنا، ایسا کروگے، تو جنّت میں داخل ہوجائو گے۔ ہاں، عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیوں کہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ کے کلام کے ذریعے حلال کیا ہے۔ تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ لوگو! سُن لو اُمورِ جاہلیت کی

ہر چیز آج میرے دونوں قدموں کے نیچے ہے۔ عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

اگر فضیلت ہے تو صرف تقویٰ کی بِناء پر۔'' پھر آپؐ نے فرمایا ''لوگو ! تم سے میرے متعلق پوچھا جانے والا ہے، تو تم لوگ کیا کہوگے ؟'' صحابہؓ نے کہا ''ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے تبلیغ کردی،پیغام پہنچادیا اور خیر خواہی کا حق ادا کردیا۔'' یہ سُن کر آپؐ نے انگشتِ شہادت کو آسمان کی طرف اُٹھایا اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا۔ ''اے اللہ ! گواہ رہ''اسی دوران یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی۔ ترجمہ:''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیتِ دین پسند کرلیا۔'' (یہاں خطبے کے چند اقتباس بیان کیے گئے ہیں، مکمل خطبہ سیرت کی کتب میں دست یاب ہے)۔

رفیقِ اعلیٰ کی جانب سفر کا آغاز

برسوں کی صبر آزما جہدِ مسلسل اور ہنگامہ خیز جدوجہد کے نتیجے میں آفتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی پُرنور کرنوں نے کائنات کے ذرّے ذرّے کو پیغامِ الٰہی سے روشن و منوّر کردیا تھا۔ 23 تین

چوتھائی دُنیا پر اللہ کی وحدانیت کا پرچم سربُلند کردیا گیا تھا۔ یہود و نصاریٰ کا غرور و تکبّر خاک میں مل چکا تھا۔ قیصر و کسریٰ کے ایوان زمیں بوس ہو چکے تھے۔

مجوسیت کا شیرازہ بکھر رہا تھا۔ جزائرِ عرب کے بُت کدے پاش پاش ہو چکے تھے۔ بڑے بڑے قاہر و جابر حکم رانوں کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ چکا تھا۔ سرزمین عرب میں اَمن و امان کا دَور دورہ تھا۔ نہ امیر کو غریب پر فوقیت تھی نہ گورے کو کالے پر۔ عزت و توقیر اور احترام کا صرف ایک پیمانہ تھا ''تقویٰ و پرہیزگاری۔'' جو کام ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تاریخ کے مختلف ادوار میں کرتے رہے، یعنی اللہ کی وحدانیت، عقیدۂ توحید کی دعوت و تبلیغ اور دین کا پیغام لوگوں تک پہنچانا، وہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے 23 برس کے مختصر سے عرصے میں مکمل فرمایا۔

تکمیلِ شریعت اور تزکیۂ نفس کا عظیم الشان کام درجۂ کمال تک پہنچ چکا تھا اور اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات و احساسات اور گفتار سے یہ پیغام واضح ہونے لگا تھا کہ اب رُوحِ قُدسی جہانِ فانی کو الوداع کہہ کر رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کے لیے بے قرار ہے۔ رَبِّ کعبہ نے عرفات کے میدان میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کروادیا تھا کہ ''آج کے دِن میں نے

تمہارے دین کو مکمل کردیا ہے اور اپنی نعمتیں پُوری کردیں۔'' (سورۃ المائدہ آیت 3)۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اب اپنا بیش تر وقت تسبیح و تحلیل اور استغفار کے ورد میں صرف فرماتے تھے۔

آپ ﷺ نے بیس دِن اعتکاف میں گزارے۔ ماہِ صفر کا چاند طلوع ہوتے ہی آپ ﷺ نے سفرِ آخرت کی تیاری شروع فرمادی تھی۔ مسجدِ نبوی میں تشریف لا کر خطبہ ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! میں تمہارا اَمیر کارواں ہوں، میں تم سے پہلے حوض (حوضِ کوثر) پر جا رہا ہوں۔ مجھے زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں۔ مجھے بخدا اِس بات کا خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کروگے، لیکن اندیشہ اس کا ہے کہ دُنیا طلبی میں بتلا ہو کر آپس میں رشک و حسد نہ کرنے لگو، اور آخرت سے غافل نہ ہوجائو۔ (صحیح بخاری3596، 1344)۔

رحلت سے پہلے آخری عسکری مہم: دُنیا کی سب سے بڑی حکومت رومن ایمپائر کو اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ ان کی اشتعال انگیزیوں کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر دو مرتبہ لشکرکشی فرمائی تھی۔ ایک مرتبہ قاصد کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے موتہ کے مقام پر، جہاں تین نام وَر سپہ سالار زید بن حارثہؓ جعفر بن ابی طالبؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ شہید ہوئے۔ دُوسری مرتبہ

تبوک کے مقام پر ،،جہاں فوج کی کمان آپ ﷺ کے ہاتھوں میں تھی۔ قیصرِ رُوم یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ عرب کے صحرائوں اور کالے سنگلاخ پہاڑوں کے درمیان رہنے والی اِس جرّی قوم کے بادشاہ بہ نفسِ نفیس سیکڑوں میل دُور کی مسافت طے کرکے میدانِ جنگ میں خیمہ زَن ہیں۔ اُس نے سُن رکھا تھا کہ یہ لوگ جنّت کی دائمی زندگی کی آرزو میں مُسکراتے ہوئے موت کو گلے لگالیتے ہیں۔

اللہ نے اس کے دِل میں خوف پیدا کردیا اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے میدانِ جنگ میں بیس دِن قیام فرمایا۔ تیس دِن آنے جانے کے سفر میں لگے۔ یوں آپ ﷺ پچاس دِن بعد مدینہ منوّرہ واپس پہنچے۔ (رحیق المختوم 588)۔ اب ایک بار پھر رُومیوں اور نصرانیوں نے شام و فلسطین کی سرحدوں پر فوجیں جمع کرنی شروع کردی تھیں۔ چناں چہ بیماری سے ایک دِن پہلے آپ ﷺ نے حضرت اُسامہ بن زیدؓ کو امیرِ لشکر بنا کر رُخصت کرتے ہوئے فرمایا، ''اے اُسامہ ! اللہ کا نام لے کر جلد اَز جلد اپنے باپ کے مقامِ شہادت تک پہنچو اور بلقاء و رُوم کی سرزمین کو روندتے ہوئے واپس آئو۔ اِن شاء اللہ تمہیں فتح نصیب ہوگی۔'' اُسامہ اپنا لشکر لے کر مدینے سے تین میل دُور مقامِ جرف پر خیمہ زَن تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کی خبر آگئی۔ چناں چہ وہ واپس مدینہ آگئے۔ (سیرت النبی 2/478)۔

مرضِ وصال کا آغاز

رحلت سے تیرہ روز قبل 29 صفر 11 ہجری بروز جمعرات نصف شب جنّت البقیع تشریف لے گئے، واپسی پر سر میں شدید درد اور بخار ہوگیا۔ اسی حالت میں آپ ﷺ نے گیارہ دِن تک نماز پڑھائی۔ مرض کی کُل مدّت تیرہ روز تھی۔ آپ ﷺ کی حیات میں 17 نمازیں سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے پڑھائیں۔ (تاریخِ طبری، 524)۔ رحلت کے آخری ہفتے آپ ﷺ کا قیام حضرت میمونہؓ کے حجرے میں تھا۔ طبیعت روز بہ روز بوجھل ہوتی جارہی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کو مدِنظر رکھتے ہوئے تمام اَزواجِ مطہراتؓ نے اجازت دے دی تھی کہ جہاں طبیعت چاہے قیام فرمائیں۔ (صحیح بخاری 4450)۔چناں چہ آپ ﷺ نے حیاتِ مبارکہ کا آخری ہفتہ اَمّاں عائشہؓ کے حجرے میں گزارا۔ (صحیح بخاری 198)۔

رفاقتِ الٰہی کی طلب: اَمّاں عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ''وفات والے دِن آپ ﷺ پر غشی طاری ہوئی، کچھ ہوش آنے پر آپ ﷺ نے گھر کی چھت کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا، ''اللّٰھمّ فی الرفیق الاعلیٰ''تو میں سمجھ گئی کہ اب آپ ﷺ کو رفاقتِ الٰہی مطلوب ہے۔ (صحیح بخاری، 4437)۔ وفات سے ذرا پہلے مسواک کی، اُس وقت آپ ﷺ سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کی گود میں ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ (صحیح بخاری، 4451)۔ اسی حالت میں رُوحِ پاک رفیق اعلیٰ کی

جانب پرواز کر گئی۔ (اِنّا لِلّٰہ و انّا الیہ راجعُون)۔ یہ سانحہ عظیم 12، ربیع الاول 11 ہجری بروز پیر پیش آیا۔ اس وقت آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی عُمر مبارک 63سال 4دِن تھی۔ (سیرت رحمۃ للعالمین، 347)۔

"مدینہ منوّرہ..... دورِ خلافتِ راشدہ میں"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سیّدنا ابوبکر صدیقؓ پہلے خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ نے سب سے پہلے لشکر اُسامہؓ کو شام روانہ کیا۔ جلد ہی یہ لشکر فتح و کام یابی کے ساتھ واپس ہوا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک لشکر مانعین زکوٰۃ، دُوسرا مُرتدین اور تیسرا جھوٹی نبوّت کے دعوے داروں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔

ان لشکروں کی نقل و حرکت سے مدینے میں سکون و اطمینان کی فضا قائم ہوئی اور مدینۃ النبی اس قابل ہوا کہ یہاں سے چلنے والی پُرامن ہوائوں نے پورے جزائرِ عرب بلکہ شام و عراق تک کے علاقے کو اَمن و سلامتی کا گہوارہ بنادیا۔ 22 جمادی الآخر سن 13 ہجری بمطابق 634 عیسوی میں

سیّدنا ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی۔ جن کے بعد حضرت عُمر بن خطابؓ خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپؓ کے دَورِ خلافت میں خوب فتوحات ہوئیں۔

فاروق اعظمؓ کے دَورِ حکومت میں بائیس لاکھ اکیاون ہزار تیس مربع میل رقبے پر اسلامی پرچم لہرایا گیا۔ رُوم و فارس کی عظیم الشّان سلطنتوں سمیت خراسان و مکران تک کا علاقہ مدینہ منوّرہ کی اسلامی ریاست کے زیرِ نگیں آگیا۔ مدینہ منورہ میں مال و دولت کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ زکوٰۃ و خیرات لینے والا کوئی نہ تھا۔ آپ کے دَور میں مسجدِ نبویؐ کی توسیع و تعمیر بھی ہوئی۔

مساجد میں رات کو روشنی کا انتظام، باجماعت نماز تراویح کا سلسلہ، شہروں میں عدالتوں کا قیام، ججوں کا تقرر، ڈاک خانوں کے ذریعے پیغام رسانی کا جدید نظام، سرکاری دفاتر کا قیام، قیدیوں کے لیے جیل خانہ جات، پولیس کا محکمہ، سنِ ہجری کی ابتدا، آب پاشی کا نظام، نئے شہروں کی آبادکاری، تجارت کے فروغ کے لیے اقدامات اور مسافر خانوں کا قیام سیّدنا عمر فاروقؓ کے اہم اور نمایاں اقدامات ہیں۔ آپؓ کے دَورِ خلافت میں مدینہ منوّرہ میں خوش حالی، ترقّی، امن و امان اور عدل و انصاف بامِ عروج کو پہنچ چکا تھا۔26 ذی الحجہ 23 ہجری کی صبح نمازِ فجر میں ایک مجوسی ابولولو نے آپؓ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ یکم محرم24ہجری کو شہادت پائی۔

باب نمبر 16

خلیفہ دوم سیّدنا عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد خلافت کی ذمّے داری سیّدنا عثمانؓ بن عفان کے کاندھوں پر آگئی۔ آپؓ کی خلافت کا دس سال کا عرصہ نہایت پُرامن اور خوش حال رہا۔ مدینۂ منوّرہ سمیت پوری اسلامی حکومت میں آپؓ کو نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ سن 32 ہجری میں پہلی مرتبہ ایک منافق عبداللہ بن سبا نے فتنہ و فساد کا سلسلہ شروع کیا، جسے اس کے حامی منافقین نے نہایت خفیہ طریقے سے پورے عرب میں پھیلا دیا۔ 35 ہجری تک یہ شورش اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن سبا نے اپنے ہم خیالوں کو مدینۂ منوّرہ میں جمع کرلیا۔

سیّدنا عثمان غنیؓ نے مدینے کے تقدّس کے پیشِ نظر ان سب کی شکایات صبر و تحمّل کے ساتھ سُنیں اور مطمئن کرکے واپس بھیج دیا، لیکن یہود و نصاریٰ کو مدینۂ منوّرہ کی اسلامی ریاست اور جزائر عرب کا امن و سکون اور خوش حالی کسی طور ہضم نہ ہوتی تھی، چناں چہ انھوں نے اپنے آلۂ کار عبداللہ بن سبا کو اور اس کے ہم خیال منافقین نے باغیوں کو مشتعل کرکے ایک بار پھر مدینۂ منوّرہ میں داخل کردیا۔ عبداللہ بن سبا اور منافقین نے باغیوں کے درمیان یہ بات پھیلا دی

کہ حضرت عثمانؓ نے مصر کے گورنر کو پیغام بھیجا ہے کہ جیسے ہی یہ لوگ مدینۂ منوّرہ سے نکل کر اپنے علاقوں میں پہنچیں، ان سب کو قتل کردیا جائے۔ اس افواہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

مشتعل ہجوم نے امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ یہ محاصرہ چالیس دِن تک جاری رہا۔ صحابہؓ نے مشورہ دیا کہ آپؓ ہمیں اجازت دیں، تو ہم ان سب باغیوں کا سر قلم کرکے آپؓ کے قدموں میں ڈال دیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ ’’میں نہیں چاہتا کہ میرے لیے کسی مسلمان کا خون بہایا جائے۔‘‘ حضرت علیؓ ایک طرف تو مسلسل یہ کوشش کرتے رہے کہ حضرت عثمانؓ ان لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم جاری فرمائیں، دُوسری طرف وہ باغیوں کو سمجھانے اور محاصرہ ختم کرکے واپس جانے کے لیے سرتوڑ جدوجہد میں مصروف رہے، لیکن نہ باغی محاصرہ ختم کرنے پر تیار تھے نہ حضرت عثمانؓ جنگ کی اجازت دینے پر تیار۔ آپؓ نے فرمایا کہ ’’ان سے مقابلہ کرکے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا خلیفہ بننا گوارہ نہیں کہ جس کے ہاتھوں اُمّت میں خون ریزی کا آغاز ہو، اور نہ ہی میں قربِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر مکّہ یا شام جاؤں گا۔

میرے لیے مدینہ منوّرہ چھوڑنا کسی طور ممکن نہیں۔‘‘ یہ قیامتِ صغریٰ کا منظر تھا، پورے مدینۂ منوّرہ پر چند ہزار باغیوں کا قبضہ تھا اور مسلمان اپنے گھروں میں محصور ہوچکے تھے۔ بالآخر 18 ذی

الحجہ35ہجری بروز جمعہ باغیوں نے گھر میں داخل ہوکر آپؓ کو اس وقت شہید کردیا، جب آپؓ قرآنِ کریم کی تلاوت فرما رہے تھے۔آپ نے 12دِن کم12سال خلافت کے فرائض انجام دیئے۔ (تاریخِ اسلام، اکبر شاہ نجیب آبادی، 437/1)۔

امیرالمومنین سیّدنا علی مرتضیٰؓ کی خلافت کا آغاز اور مدینۂ منوّرہ کے تقدّس کی بحالی

سیّدنا عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد مدینۂ منوّرہ پر باغیوں نے قبضہ کرلیا۔ مصریوں کا سرغنہ غافقی بن حرب مسجدِ نبویؐ میں نماز پڑھاتا رہا۔ ڈر تھا کہ باغی ان ہی میں سے کسی کو خلیفہ مقرر نہ کردیں۔ چناں چہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے فوری بعد مدینۂ منوّرہ میں موجود صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے سیّدنا علی مرتضیٰؓ سے رابطہ کیا۔ آپؓ نے آب دیدہ ہوکر فرمایا، ''میں اِس وقت شدید غم میں مبتلا ہوں۔ میرے بھائی عثمانؓ کی لاش بے گوروکفن پڑی ہے۔ میرے لیے اُن کی جگہ خلافت کا منصب سنبھالنا ممکن نہیں۔''

اسی اثناء میں باغیوں نے اعلان کردیا کہ اگر تین دِن کے اندر خلیفہ کا اعلان نہیں ہوا، تو ہم علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کو قتل کردیں گے۔ سیّدنا علی مرتضیٰؓ بخوبی جانتے تھے کہ اگر اس نازک وقت میں اس ذمّے داری کو نہ سنبھالا تو اُمّتِ مسلمہ کے درمیان شدید خوں ریزی ہوگی۔ خلافت کی ذمّے

داری سنبھالنے کے بعد آپؓ مسجدِ نبویؐ تشریف لے گئے، جو باغیوں کے قبضے میں تھی۔ آپؓ نے حکم جاری کیا کہ تمام باغی فوری طور پر مدینہ خالی کر کے اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے جائیں۔ عبداللہ بن سبا اور اس کی جماعت نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ یہ لوگ مدینے کے اندر مسلمانوں کے درمیان غلط فہمی اور انتشار پھیلانے میں مصروف رہے۔

دُوسری طرف حضرت عثمانؓ کے قصاص کا معاملہ سر اُٹھاتا رہا اور نئے نئے مسائل جنم لیتے رہے۔ ان ہی ابتر حالات میں عبداللہ بن سبا اور دیگر منافقین کی فتنہ پردازیاں اور شرانگیزیاں مسلمانوں کے دو گروہوں میں شدید خوں ریزی کا باعث بنیں۔ سیّدنا علی مرتضیٰؓ کی پہلی ترجیح مدینۂ منوّرہ کے تقدّس کی بحالی تھی، چناں چہ آپؓ نے بہت جلد ہر طرح کے فتنہ پردازوں سے مدینۂ منوّرہ کو پاک کرکے یہاں امن و امان کی فضا قائم کردی۔ (تاریخِ طبری)۔

آپؓ کے دَور میں تمام بڑے واقعات مدینۂ منوّرہ سے دُور عراق اور شام میں ہوئے۔19رمضان المبارک کو مسلمانوں کے چوتھے خلیفۂ راشد اور امیرالمومنین سیّدنا علی مرتضیٰؓ کو ایک خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم نے حملہ کرکے زخمی کردیا۔ دو دِن بعد21رمضان المبارک40ہجری صبح، فجر کے وقت آپؓ شہادت کے عظیم مرتبے پر فائز ہوکر حیاتِ جاودانی کے حق دار ٹھہرے۔ آپؓ کی

شہادت کے بعد آپؓ کے بڑے صاحب زادے حضرت حسنؓ سے بیعت لی گئی، لیکن حضرت حسنؓ نے دست بردار ہو کر اپنے نانا اور نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت پر عمل کیا، جس میں آپؐ نے یہ فرمایا تھا کہ ''میرا یہ بیٹا مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صُلح کا باعث بنے گا۔'' (صحیح بخاری، حدیث نمبر 2704)۔

مدینۂ منوّرہ.....بنو اُمیّہ کے دَورِ خلافت میں

خلافتِ راشدہ کا عظیم الشّان زرّیں دَور اختتام پذیر ہوا۔ حضرت امیر معاویہؓ خلافت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد مدینۂ منوّرہ کی زیارت کو آئے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اَقدس پر درود و سلام کے نذرانے پیش کیے۔ بنو ہاشم سمیت مدینے کی سربرآوردہ شخصیات کے ساتھ اکرام و نوازش کا معاملہ کیا۔ مروان بن الحکم کو مدینۂ منوّرہ کا گورنر مقرر کیا۔ ان اقدامات سے مدینے کے لوگ مطمئن ہوئے۔ مروان نے مدینے کے باشندوں کی پانی کی ضروریات کے لیے ''چشمہ زرقاء'' جاری کیا، جس کی وجہ سے مدینۂ منورہ کی زراعت و تجارت کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ 60ہجری میں حضرت امیر معاویہؓ کی وفات ہوئی۔

جس کے بعد آپؓ کا نا اہل بیٹا، یزید مسندِ خلافت پر براجمان ہوا۔ یہ شخص کسی طور بھی مسلمانوں کا خلیفہ بننے کے لائق نہ تھا۔ چناں چہ حضرت امام حسینؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سمیت مدینۂ منوّرہ اور مکّہ مکرمہ کے مسلمانوں نے یزید کی بیعت سے انکار کردیا، کیوں کہ اس کا انتخاب خلافتِ راشدہ کی سُنت کے خلاف اور اسلامی جمہوریت کی رُوح کے منافی تھا۔ یزید نے پونے چار سال حکومت کی۔ اس کے دَور میں مدینے میں امن و استقرار جاتا رہا اور حالات پیچیدہ ہوتے چلے گئے۔ اندرونی جھگڑوں، سازشوں اور امن و امان کے مسائل سر اُبھارتے رہے۔ یزید کے دامن پر سب سے بڑا داغ حضرت امام حسینؓ اور اہلِ بیت کی شہادت کا ہے۔

جس نے اس کے اور دُوسرے معائب کو بھی نمایاں کردیا۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کی قیادت میں ایک لشکر مدینہ روانہ کیا جس نے مدینۂ منوّرہ میں یورش کی اور مخالفین کو تہ تیغ کیا۔ اس کے بعد یہ یزید کے حکم پر مدینے سے مکّے کی جانب روانہ ہوا، لیکن راستے میں اس کی موت واقع ہوگئی۔ حصین بن نمیر نے فوج کی قیادت سنبھالی اور مکّے کا محاصرہ کرلیا۔ اس نے جبلِ قبیس پر منجنیقیں نصب کرکے خانۂ کعبہ پر سنگ باری شروع کردی، جہاں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پناہ گزیں تھے۔ محاصرے کو تین ماہ ہوچکے تھے کہ ایک دِن یزید کے مرنے کی خبر آئی۔ جس پر محاصرہ ختم کردیا گیا اور یزیدی فوج ناکام و نامراد اللہ کے گھر کی بے حرمتی کی مرتکب ہوکر واپس ہوگئی۔ صحابہؓ کے

اصرار پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی خلافت کا اعلان کیا، تو اہلِ مدینہ نے جُوق دَر جُوق اُن کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

اس طرح مدینۂ منوّرہ میں سیاست کا ایک نیا رُخ سامنے آیا۔ تقریباً 8سال تک یہ حالات رہے، اس دوران مدینے میں امن و امان قائم رہا۔ عبدالملک بن مروان مسندِ حکومت پر بیٹھا، تو اس نے اپنے سفّاک ترین جرنیل حجاج بن یوسف ثقفی کو ایک بڑی فوج کے ساتھ مکّے کی جانب روانہ کیا۔ حجاج نے مکّہ پہنچتے ہی بیت اللہ پر شدید سنگ باری شروع کردی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور اُن کے رفقاء نے بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا اور ہتھیار ڈالنے کے بجائے سیّدنا امام حسینؓ کی سُنّت کو زندہ کرتے ہوئے شہادت کو گلے لگالیا۔

شوال86ہجری کو عبدالملک بن مروان کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا ولید بن عبدالملک مسندِ خلافت پر براجمان ہوا۔ اس نے 87ہجری میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو مدینے کا گورنر مقرر کیا۔ جہاں انھوں نے 93ہجری تک مسجدِ نبویؐ کی توسیع، مساجد کی تعمیر سمیت مدینۂ منوّرہ میں بے شمار تعمیراتی کام کیے۔ یوں وہاں ترقّی و خوش حالی کا ایک نیا دَور شروع ہوا۔ عدل و انصاف عام ہوا،

تجارت کو خوب فروغ ملا۔ آمدو رفت کے نئے راستوں کی تعمیر اور شاہ راہیں کشادہ ہوئیں۔ پورے شہر میں زبردست ترقیاتی کام ہوئے، علمی مجالس کا دوبارہ اجراء ہوا۔

مدارس کو بھرپور امداد دی گئی، تعلیمی وظائف عام کیے گئے، کھجور کے باغات سمیت زراعت کے شعبوں پر خصوصی توجّہ دی گئی۔ روضۂ اَقدس کے چاروں جانب پنج گوشہ دیوار چھت تک بنادی گئی، جس میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔ حضور نبی کریمؐ نے مدینۂ منوّرہ میں جہاں جہاں نماز ادا فرمائی تھی، ان سب جگہوں پر مساجد تعمیر کروائی گئیں۔ بہترین نظم و نسق کے باعث اس دَور میں ہر طرح کے جرائم کا مکمل طور پر خاتمہ ہوچکا تھا، عوام خوش حال اور مالا مال تھے۔

مسجدِ نبویؐ میں پہلی مرتبہ محراب اور چاروں کونوں میں خُوب صورت مینار تعمیر کروانے کے علاوہ مسجد کی دیواروں پر مختلف آیات الکھوائی گئیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پہلے شخص تھے، جنہوں نے مسجد کی دیواریں اور چھت جواہرات اور آب زَر کی میناکاری سے مرصّع کروائے۔ (تاریخ مدینۂ منوّرہ، محمد عبد المعبود،328)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دورِ خلافت

96 ہجری جمادی الآخر میں 51 برس کی عُمر میں ولید بن عبدالملک کا انتقال ہوگیا۔ اب اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک مسندِ خلافت پر براجمان ہوا، جو بنو اُمیّہ میں باتدبیر بادشاہ سمجھا جانے والا نہایت فصیح البیان، عادل، منصف اور جہاد کا شوقین تھا۔ اس کی نیکیوں میں یہی بہت ہے کہ اس کے وزیر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے فرشتہ صفت تھے۔ جب 10، صفر 99ہجری میں سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہوا اور اس کی وفات کے بعد اس کا وصیت نامہ کھولا گیا، تو اس میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلیفہ نام زد کیا گیا تھا۔

آپؒ یہ دیکھ کر ششدر اور حیران رہ گئے۔ فرمایا، ''واللہ، میں نے کبھی بھی اللہ تعالیٰ سے اس کی درخواست نہیں کی تھی۔'' جب داروغہ، اصطبلِ خاص سے خلیفہ کی سواری کا زرق برق گھوڑا لایا، تو آپؒ نے اس پر سوار ہونے سے انکار کردیا اور فرمایا۔ ''میرا خچر لے آئو، وہی میرے لیے کافی ہے۔'' آپؒ کی مدّتِ خلافت کُل دو سال پانچ ماہ رہی۔ اس اثنا میں آپؒ نے عدل و انصاف قائم کرکے ظلم و ستم کا قلع قمع کردیا۔ (تاریخ خلفاء، امام جلال الدین سیوطی، 303)۔

مدینۂ منوّرہ..... عباسی دورِ حکومت میں

132 ہجری بمطابق 749 عیسوی میں خلافت، بنو عباس کی جانب منتقل ہوئی۔ جن کی حکومت سقوطِ بغداد پر تاتاریوں کے ہاتھوں 656 ہجری بمطابق 1258 عیسوی میں ختم ہوئی۔ اس دور میں مدینۂ منوّرہ کی تاریخ کو تین مراحل میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا مرحلہ، عباسی حکومت کے زیرِانتظام 749 سے 974 عیسوی کے درمیان کا ہے۔ جس میں مدینۂ منوّرہ میں مجموعی طور پر اضطراب و خانہ جنگی اور سیاسی مدّوجزر کے علاوہ امن و امان کی صورت مخدوش رہی۔ بدّوئوں کے حملوں کے واقعات کثرت سے ہوئے۔ جس کی وجہ سے خوف و ہراس کا غلبہ رہا۔ دُوسرا مرحلہ، فاطمی حکومت کے زیرِ انتظام 974 عیسوی سے 1151 عیسوی تک یعنی مسلسل دو سو سال تک مدینۂ منورہ، مصر میں قائم فاطمی حکومت سے منسلک رہا۔

اس پورے دَور میں مدینے کے امراء اور فاطمی حکومت کے مابین تعلقات خراب ہی رہے۔ تعلقات کی اس خرابی نے مدینۂ منوّرہ میں مختلف مسائل پیدا کیے۔ جب کہ تیسرا مرحلہ، زنگی اور ایوبی حکومتوں کے زیر انتظام، 1151 عیسوی سے 1254 عیسوی تک کا ہے۔ جس میں مدینۂ منوّرہ میں بالعموم امن و امان اور خوش حالی کی فضا قائم رہی۔ تاریخِ اسلام میں خلفائے راشدینؓ کے

بعد دو فرماں روا ایسے گزرے ہیں، جن کی عظمتِ کردار نے آسمان کی رفعتوں کو چُھو لیا اور اپنے طرزِ حکم رانی سے خلفائے راشدین کی یاد تازہ کردی۔ ان میں ایک حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور دُوسرے نورالدین محمود زنگیؒ تھے۔

مدینۂ منوّرہ کی مخدوش حالت کی بناء پر نورالدین زنگیؒ نے مدینۂ منوّرہ کی تعمیر و ترقّی کے لیے دل کھول کر رقم فراہم کی۔ شہر کے گرد حفاظت کے لیے ایک جدید اور اُونچی فصیل اس طرح تعمیر کروائی کہ مدینے کی پوری آبادی اس میں محفوظ ہوگئی۔ نیز، مدینے کے تمام اندرونی اور بیرونی راستوں کی اَزسرِنو تعمیر کے علاوہ پانی کی فراہمی کا معقول انتظام کیا۔ تاریخ میں دو راہب یہودیوں کا واقعہ تحریر ہے، جنھوں نے روضۂ اَقدس تک ایک سرنگ کھود لی تھی۔ نورالدین نے ان دونوں کو جہنم واصل کرنے کے بعد روضۂ اقدس کے چاروں جانب گہری خندق کھدوا کر اس میں پگھلا ہوا سیسہ بھروا دیا تاکہ آئندہ کوئی ایسی ناپاک جسارت نہ کرسکے۔

نورالدین زنگی کے بعد صلاح الدین ایوبی کا زمانہ آیا۔ انھوں نے بھی اہلِ مدینہ کے ساتھ خصوصی تعلق رکھا اور شہر کی ترقّی کے لے خوب مال و دولت مدینہ بھیجا۔ اس نے نہ صرف حجاج کرام کے تمام ٹیکس معاف کیے، بلکہ ان کی حفاظت اور سہولتوں کی فراہمی کے لیے قبائل میں دل کھول کر

رقم تقسیم کی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے بعد ایوبی امراء نے مدینہ منوّرہ پر خصوصی توجہ مبذول رکھی اور مال و دولت سے اہلِ مدینہ کی خدمت کرتے رہے۔ (مدینۃ منوّرہ، ڈاکٹر احمد محمد شعبان صفحہ 20)۔

باب نمبر 17

مدینۂ منوّرہ..... دورِ مملوکین میں: 1454 میں مملوکین نے ایوبیوں سے حکومت چھین کر مصر پر اپنی حکومت قائم کی، تو مدینۂ منوّرہ کا تعلق بھی مصر سے ہوگیا۔ 1517ء تک ان کی حکومت رہی، لیکن اس طویل عرصے میں مدینۂ منوّرہ کے مجموعی حالات میں اُتار چڑھاؤ آتا رہا۔ کبھی امن و امان ہوجاتا، تو اکثر اضطرابی و بدحالی کی کیفیت رہتی۔ اس دور میں دو اہم واقعات بھی پیش آئے،جب شہرِ مدینہ میں بہت زیادہ بے چینی پھیلی۔ مدینے کے مشرق میں ماہ رجب 654ہجری، بمطابق 1256 عیسوی کو آتش فشانی کا واقعہ پیش آیا۔

یہ پہاڑوں کی ایسی آگ تھی، جس کا لاوا نہر کی مانند تیزی کے ساتھ مدینے کی آبادی کی جانب بڑھ رہا تھا، لیکن پھر چشمِ فلک نے قدرت کا کرشمہ دیکھا کہ اچانک اُس کا رُخ شمال کی جانب مڑگیا اور یوں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہرِ جاناں کو اس خطرناک آگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ و مامون فرمادیا۔ جب کہ دُوسری بار آسمانی بجلی گرنے کی وجہ سے 886ہجری بمطابق 1481ء کو آتش زدگی کا واقعہ پیش آیا۔ (مدینۂ منوّرہ، ڈاکٹر احمد محمد شعبان،22)۔

مدینہ منوّرہ میں عثمانی حکم رانی کا پہلا دور: 923ہجری بمطابق 1517 عیسوی میں سلطان سلیم اوّل نے مصر پر قبضہ کرکے سلطنتِ عثمانیہ کا آغاز کیا، تو مدینے کے حکم رانوں نے سلطنتِ عثمانیہ سے اپنا تعلق قائم کرلیا، جس کے نتیجے میں عثمانیوں نے اہلِ مدینہ پر دل کھول کر مال و دولت خرچ کیا۔ 1532عیسوی میں سلطان سلیمان قانونی نے مدینہ منوّرہ کے گرد ایک بہت بُلند اور مضبوط فصیل تعمیر کرکے شہر کو محفوظ قلعے میں تبدیل کردیا۔ اہلِ مدینہ عثمانیوں کے دورِ حکومت میں خوش حالی کی زندگی بسر کررہے تھے۔

سعودی حکمرانی کا عہدِ اوّل

1220 ہجری مطابق1805ء میں مدینے میں سعودی قیادت کا پہلا دَور شروع ہوا، جس کی مدّت چھے سال رہی۔ اس دور میں مدینے میں بہترین امن و امان رہا، لیکن پھر محمد علی پاشا نے اپنے بیٹے کی قیادت میں مدینے پر لشکر کشی کی، پہلی مرتبہ ناکام رہا، لیکن دُوسری دفعہ سخت ترین مقابلے کے بعد مدینے پر قابض ہوگیا۔

مدینہ منوّرہ میں محمد علی پاشا کا دَور: یہ دَور 1811ء سے شروع ہو کر 1840ء پر ختم ہوا۔ یہاں سے مدینے کی نئی تاریخ شروع ہوئی۔ اقتدار کی باگ ڈور محمد علی پاشا کے ہاتھ میں رہی، لیکن یکے بعد دیگرے اس کے بیٹے شہر کی اندرونی ذمّے داری نبھاتے رہے۔ ابراہیم پاشا نے شہر کی فصیل، قلعے اور مسجد نبوی ؐ کی مرمّت کروائی۔ ایک بڑا وسیع تکیہ تیار کروایا، جہاں فقراء کو کھانا اور رقم تقسیم کی جاتی۔ اس طرح مدینے میں امن وسکون کی فضا قائم ہوئی، لیکن پھر 1840ء میں محمد علی پاشا نے مدینہ منورہ کا نظم و نسق عثمانی فوج کے حوالے کر دیا۔

مدینہ منوّرہ سلطنتِ عثمانیہ کے دُوسرے دَور میں: عثمانی حکم رانوں نے شہر قدس کی تعمیر و ترقّی میں بے دریغ پیسہ خرچ کیا۔ 1844ء میں مدینے کے والی، دائود پاشا نے سلطان عبدالمجید کے حکم پر بہت سے اصلاحی کام کیے، جن میں سب سے اہم کام مسجد نبوی ؐ کی تعمیر و توسیع ہے۔ مسجد نبوی ؐ کی تزئین و آرائش کا جو کام سلطنتِ عثمانیہ کے دَور میں ہوا، اس کے حُسن و جمال کو دیکھ کر زائرین حیرت کے سمندر میں ڈُوب جاتے ہیں۔ یہ تمام کام سلطنتِ عثمانیہ کے حکم رانوں کا عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندہ مثال ہے۔

جزائرِ عرب میں بجلی کی فراہمی، الیکٹرک اور وائرلیس اسٹیشن کا قیام، مدینہ منورہ اور استنبول کے درمیان ٹیلی گرام کا نظام اورمدینہ منوّرہ، شام اور استنبول کے درمیان ریلوے لائن بچھا کر

ٹرانسپورٹ کی جدید سہولتوں کی فراہمی عثمانی دَورِ حکومت کے روشن اقدامات ہیں۔ آج بھی مدینہ منوّرہ کے ریلوے اسٹیشن پر اُس دَور کا ریلوے انجن دورِ عثمانیہ کی یاد تازہ کردیتا ہے۔ علاوہ ازیں، مدینے سے استنبول اور دیگر ممالک تک سڑکوں کا جال بچھایا گیا، پانی کی فراہمی کا نظام بہتر کرکے زراعت پر بھرپور توجّہ دی گئی۔

ان تمام اصلاحات نے مدینہ منوّرہ کی تجارت و زراعت میں کئی گنا اضافے کے ساتھ زائرین کی تعداد میں بھی ریکارڈ اضافہ ہوا۔ عالمِ اسلام کے مختلف مقامات سے عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم شہر مقدّس میں آکر بسنے لگے۔ آبادی میں کئی گنا اضافہ ہوا، 1918ء میں شریف حسین نے مملکتِ عثمانیہ سے بغاوت کرکے مدینے کا محاصرہ کرلیا اور پہلی جنگِ عظیم کے خاتمے پر ایک معاہدے کے تحت ترکی نے مدینہ منوّرہ کو شریف حسین کے حوالے کردیا۔ یوں ماہ ربیع الاوّل 1918ء میں (ہاشمیوں نے مدینے کا اقتدار سنبھال لیا۔ (مدینہ منورہ، ڈاکٹر احمد محمد شعبان، 25

ہاشمی دورِ حکومت : 1337ہجری بمطابق 1918ء میں شریف علی بن حسین نے مدینہ منوّرہ کی امارت سنبھالی، لیکن1924ء میں سعودی حکم رانوں نے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ مدینے کا محاصرہ کرلیا، جو سات ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران دونوں گروپوں کے درمیان سخت ترین

جنگ جاری رہی۔ اہلِ مدینہ بے مقصد جنگ اور محاصرے سے تنگ آچکے تھے۔ چناں چہ امراء پر مشتمل ایک وفد نے جدّہ میں امیر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آلِ سعود سے مذاکرات کیے اور معاہدہ طے پایا کہ مدینہ منوّرہ پر سعودی حکومت ہوگی، لیکن اہلِ مدینہ کو مکمل امن و امان اور تحفّظ فراہم کیا جائے گا۔ چناں چہ 19، جمادی الاوّل 1344 ہجری بمطابق 1925ء میں مدینہ منوّرہ سے ہاشمی دَورِ حکومت کا خاتمہ اور سعودی دَور کا آغاز ہوا۔

موجودہ سعودی عہد میں مدینہ منوّرہ

آلِ سعود کے حکم رانوں نے اس شہرِ مقدّس کو جو عزّت و احترام دیا، مدینے کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس شہرِ جاناں کو رنگ و نُور سے نہلا کر حُسن و پاکیزگی اور امن و سکون کا گہوارہ بنادیا۔ مدینہ منوّرہ کے چہار اطراف جدید ترین ساز و سامان سے لیس سپر مارکیٹس، تجارتی مراکز، کشادہ صاف ستھری سڑکوں کا ایک جال بچھادیا اور پھر پُھولوں سے لدے حسین پارکس، امن و امان، نظم و ضبط، صاف شفّاف پُرسکون ماحول نے اس شہرِ مہربان کے حُسن کو چار چاند لگا دیئے۔

آلِ سعود کا سب سے اہم انقلابی کارنامہ مسجد نبویؐ کی عظیم الشّان توسیع، تزئین و آرائش ہے۔ اس کے ساتھ ہی مسجد سے متصل علاقے، مرکزیہ میں جدید ترین سہولتوں سے مزّین ہوٹلز، عالی شان تجارتی مراکز، دُنیا بھر سے آئے ہوئے لاکھوں حجاج اور عمرہ زائرین کو ہر وقت، ہر لمحہ خوش آمدید کہنے کو بے قرار رہتے ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آج کا شہرِ مدینہ معاشی، معاشرتی اور ثقافتی اعتبار سے دُنیا کے ترقّی یافتہ شہروں کی فہرست میں شامل ہے۔

مسجد نبویؐ، دُوسری مقدّس ترین عبادت گاہ: کعبۃ اللہ کا طواف، مسجد نبویؐ کی زیارت اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دُنیا بھر کے مسلمانوں کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہوتی ہے۔ حسین و جمیل، مقدّس و محترم شہر مدینہ منوّرہ کے قلب میں کائنات کی دُوسری سب سے مقدّس و قابلِ تعظیم عمارت واقع ہے کہ جس کی رفعت و شان اور قدر و منزلت اعلیٰ و ارفع ہے اور جس کے در و دیوار ایمان کی حرارت، دین کی تابانیوں، ذکر اَذکار کی لذّتوں، تسبیح و تہلیل کی حلاوتوں اور جلوئہ محبوبؐ کی کیف سامانیوں سے سرشارہیں۔

بلاشبہ مسجدِ نبویؐ، کرۂ اَرض پر ربِّ ذوالجلال کی عبادت و بندگی اور عظمت و تعظیم کا مستقر، مسلمانوں کی دینی سطوت، ملّی تحفّظ اور اجتماعی وحدت کا مرکز، حبیبِ کبریا کی خوش نودی کی مظہر

ہے۔ یہیں سے ہدایت و برکت کا وہ زَم زَم جاری ہوا، جس نے سارے جہانوں کی معنوی تشنگی دُور کرنے، ان کے قلوب و اَرواح اور فکر و عمل کی سیرابی کا سامان پیدا کیا۔ مسجدِ نبویؐ اسلام کی شان و شوکت کا نشان، رضائے الٰہی کا مرکز، آقائے دوجہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار فرشی، علم و عمل کا مرکز، حرب و ضرب، دفاعِ دین کی تربیت گاہ ہے۔

یہ وہ عالی مرتبت دربارِ گوہر ہے کہ جس کی جاروب کشی کو بھی اولیاء اور سلاطین باعثِ افتخار سمجھتے ہیں۔ اللہ کے اس عظیم دربار کے ایک گوشے میں فخرِ کون و مکاں، سرورِ زمین و زماں، نیّرِ تاباں، روشن و درخشاں، نورِ مجسّم، رسولِ معظّم، محبوبِ رَبّانی، حبیبِ یزدانی، خاتم النبیّین، سیّدالمرسلین، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دو رفقائے خاص کے ساتھ آرام فرما ہیں۔ (صحیح بخاری، حدیث، 446)۔

مسجد نبویؐ کی مرحلہ وار تعمیر و توسیع: گزشتہ 14 سو برسوں میں مسجد نبویؐ کی 14بار توسیع ہوئی۔ یکم ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے قائم ہونے والی دُنیا کی دُوسری مقدّس ترین مسجد کا رقبہ ایک ہزار پچاس مربع میٹر تھا، جو آج 1444ہجری میں پانچ لاکھ مربع میٹر پر محیط ہے۔

پہلی توسیع: 7ہجری میں آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم یہودیت کے غرور وتکبّر کو خیبر کے 1
قلعوں میں دفن فرماکر مدینہ منوّرہ تشریف لائے، تو مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی بناء پر مسجد نبویؐ
کی توسیع فرمائی۔ چوڑائی میں20میٹر اور لمبائی میں 15میٹر اضافہ فرمایا۔ اب مسجد مربع کی صورت
50X50اختیار کرگئی ہے اور اس کا کُل رقبہ 2500 :مربع میٹر ہوگیا ہے۔17ہجری بمطابق638ء
میں سیدنا عمر فاروقؓ نے مسجد کی تعمیر و توسیع فرمائی۔ قبلے کی جانب ایک دالان بنوایا۔

مغرب میں دالان کو کشادہ کیا اور شمال میں15میٹر کا اضافہ کیا۔ (اخبار مدینۃ الرسولؐ، 93)۔ 29
ہجری بمطابق649ء میں سیدنا عثمان غنیؓ نے مسجد کی تعمیر و توسیع کرتے ہوئے قبلے کی جانب
ایک دالان بنوایا۔ قبلے کی جانب یہ آخری توسیع تھی۔ اس کے بعد آج تک پھر قبلے میں کوئی توسیع
نہیں ہوئی۔ مغرب کی جانب ایک دالان اور شمال کی جانب 5 میٹر کا اضافہ کیا۔ (وفاء
الوفا، 504/2)۔

ہجری بمطابق707ء میں اموی خلیفہ، ولید بن عبدالملک نے گورنر مدینہ حضرت عُمر بن 88
عبدالعزیز کو مسجد نبویؐ کی تعمیر و توسیع کا حکم دیا۔ یہ توسیع مغرب و شمال اور مشرق کی سمتوں میں

ہوئی۔ اس وقت تک تمام اُمہات المومنینؓ رحلت فرما چکی تھیں، چناں چہ اُن سب حُجروں کو مسجد کی حدود میں شامل کرلیا گیا۔ حضرت عُمر بن عبدالعزیز نے مسجد کی حدود میں2369 مربع میٹر کا اضافہ کیا۔ جس کے بعد مسجد نبویؐ6465مربع میٹر رقبے تک کشادہ ہوگئی۔ آپؒ نے مسجد کے چاروں کونوں پر مینار، محراب کی موجودہ شکل اور منقّش دروازے بھی بنائے۔

یہ تعمیر91ہجری بمطابق710ء میں مکمل ہوئی۔ 161ہجری بمطابق778 ء عباسی خلیفہ مہدی بن ابوجعفر نے 2450مربع میٹر کی توسیع کی، جس کے بعد مسجد کا کُل رقبہ 8915مربع میٹر ہوگیا۔ 886 ہجری بمطابق1481 ء میں مسجد کے ایک مینار پر بجلی گرنے سے زبردست آگ لگ گئی، یہ ملوکِ مصر سُلطان اشرف قاتیبائی کا دورِ حکومت تھا، اس نے فوری طور پر مسجد کی تعمیر کا حکم دیا اور مسجد کے مشرق میں جانبِ مقصورہ شریف120مربع میٹر کا اضافہ کیا۔ روشنی کی خاطر مسجد میں کھڑکیاں بنوائیں۔ مؤذن کا چبوترا تعمیر کروایا اور روضۂ اَقدس کے گنبد بنوائے گئے۔ یہ سب کام پہلی مرتبہ ہوا اور چار سال میں مکمل ہوا۔

مسجدِ نبویؐ کی توسیع، سلطنتِ عثمانیہ کے دَور میں

1265 ہجری بمطابق1848 عیسوی میں عثمانی خلیفہ سلطان عبدالمجید نے مسجدِ نبویؐ میں 1293مربع میٹر کی توسیع کروائی۔ اس طرح مسجد کا رقبہ10328 مربع میٹر ہوگیا۔ عثمانی دَور کی اس تعمیر میں مسجد

کی آرائش وزیبائش پر خصوصی توجّہ دی گئی۔ کاری گروں نے اپنی بہترین صلاحیتیں بُروئے کار لاتے ہوئے بے مثال جدّت اور خُوب صورتی کا ایسا شان دار مظاہرہ کیا کہ جس نے مسجد کے دَر و دیوار اور گنبد کو مزید حسین اور دل کش بنادیا۔

تب ہی ایک طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود آج بھی اپنے مخصوص طرزِ تعمیر کے باعث مسجد بے حد ممتاز و ممیّز نظر آتی ہے۔ بابِ مجیدی کا اضافہ بھی اسی دور میں ہوا۔ تُرکوں نے تعمیر مسجد نبویؐ پر مال و زَر ہی خرچ نہیں کیا، بلکہ اپنے خلوص و عشق، عقیدت و محبت اور احترامِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سراپا مجسّم کردیا۔ مسجد نبویؐ کے دَر و دیوار کا ہر نقش عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے سرشار اور خلوص و محبت کا آئینہ دار ہے۔

اِمتدادِ زمانہ کے باوصف اس فن تعمیر میں تُرکوں کے دل دھڑکتے نظر آتے ہیں۔ ہر پتھر، ہر بلاک اور ہر زاویے سے جنابِ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت جھلک رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ترکوں نے تعمیرِ مسجد کے لیے اس بات کا التزام کیا تھا کہ ہر معمار حافظِ قرآن ہو۔ کام کی ابتدا سے پہلے ہر معمار غسل کرتا۔ دو رکعت نفل ادا کرتا اور سرکار مدینہؐ پر درود و سلام بھیجتا۔ غرض ہر ایک معمار تقویٰ کا پیکر اور پاکیزگی کا نمونہ تھا۔

سلاطینِ عثمانیہ نے مسجد نبویؐ کی ایسی پُر شکوہ عمارت تعمیر کروائی، جس کے دَر و بام پر گردشِ اَیّام اَثرانداز نہ ہوسکی۔ باب السلام سے مقامِ جبریلؑ تک ساری دیوار قرآن پاک کے سنہری حروف سے مزین ہے، جب کہ اسمائے مقدّسہ نہایت دیدہ زیب خطّاطی میں نقش کیے گئے۔ چھت میں واقع گنبدوں میں مختلف آیات نہایت اعلیٰ خط میں تحریر کروائی گئیں۔ جن کے حُسن و زیبائش میں نظر ڈُوب کررہ جاتی ہے۔ ہر نقش محبت کا آئینہ دار، ہر سطر خلوص کی مظہر اور ہر گوشہ عقیدت کی تصویر ہے۔ (تاریخ مدینہ منوّرہ / محمد عبدالمعبود، 343)۔

مسجدِ نبویؐ کی توسیع و تعمیر، سعودی عہد میں

1371 ہجری بمطابق 1951ء میں شاہ عبدالعزیز آلِ سعود نے مسجد کی تعمیر و توسیع کا اعلان کیا، جس کے بعد قدیم عمارت کے شمال مغرب اور شمال کے بعض حصّوں کو منہدم کیا گیا، جن کارقبہ 6247 مربع میٹر تھا۔ شاہ عبدالعزیز نے اِردگرد کی عمارتیں خطیر رقم کے عوض خرید کر اسے توسیع دی۔ شاہ عبدالعزیز کی وفات کے بعد ان کے صاحب زادے، شاہ سعود بن عبدالعزیز نے 5 ربیع الاوّل 1375ہجری بمطابق اکتوبر 1955ء کو اس توسیع شدہ عمارت کا افتتاح کیا۔

اس توسیع پر55کروڑ ریال خرچ ہوئے۔ (تاریخِ مدینہ منوّرہ،75)۔9 صفر 1405ہجری بمطابق2 نومبر 1984ء کو خادم الحرمین الشریفین، شاہ فہد بن عبدالعزیز نے مسجدِ نبویؐ کی تاریخ کی سب سے بڑی توسیع کا سنگِ بنیاد رکھا، جسے دیکھ کر عقل انسانی دَنگ رہ جاتی ہے۔ پہلی توسیع کے بعد مسجد میں28ہزار نمازیوں کی گنجائش تھی، لیکن اس توسیع کے بعد نمازیوں کی گنجائش2لاکھ68ہزار ہوگئی۔

باب نمبر 18

سعودی دور میں مسجدِ نبویؐ کا ڈیزائن اور تعمیراتی انتظامات: مسجد نبویؐ کی جدید اور عالی شان تعمیر و توسیع کا ڈیزائن مصر کے ماہر تعمیرات، ڈاکٹر محمد کمال اسماعیل نے تیار کیا۔ مسجد کی تعمیر میں استعمال ہونے والے خوش نُما پتھروں کو تراشنے کے لیے مسجد سے بیس کلومیٹر دُور دُنیا کی سب سے بڑی اور جدید فیکٹری قائم کی گئی۔ فیکٹری میں نماز کے وقفوں کے علاوہ دِن رات کام جاری رہتا۔ متحرک گنبد کا اچھوتا تصوّر ڈاکٹر کمال اسماعیل نے پیش کیا، جس کے ڈیزائن کی تیاری کا کام ایک جرمن مسلمان ڈاکٹر محمود مراشکو نے انجام دیا۔

ایک گنبد کا وزن 80 ٹن ہے، جب کہ کُل 27 متحرک گنبد نصب کیے گئے، جنہیں بجلی کے ایک سوئچ سے کھولا اور بند کیا جاسکتا ہے۔ مسجد کی زیبائش و آرائش کے لیے دُنیا کے خُوب صورت ترین اور مختلف رنگوں کے سنگِ مرمر استعمال کیے گئے۔ مینار اٹلی کے کرارا سنگِ مرمر سے تعمیر کیے گئے۔ چھت پر یونان کا سنگِ مرمر استعمال کیا گیا، جو سُورج کی حرارت کو جذب کرتا اور ہمیشہ ٹھنڈا رہتا ہے۔ مسجد کے صحن میں برقی چھتریاں نصب کی گئیں، جو برقی سوئچ سے کھولی اور بند کی جاتی ہیں۔

مسجد کے دیدہ زیب اور خُوب صورت سنہری دروازے بنانے کے لیے جدّہ میں ایک فیکٹری قائم کی گئی۔ فرانس کی ایک کمپنی نے دروازوں میں نقش و نگار کی خدمات انجام دیں۔ دروازوں کی تیاری کے بعد ان پر 23 قیراط سونے کا پانی چڑھایا گیا۔ دروازوں کے دونوں کواڑوں کے درمیان کلمۂ طیبہ منقّش ہے۔ مسجد کا کام محرم1406 ہجری بمطابق1985ء میں شروع ہوا، جب کہ اس کی تکمیل1414 ہجری1994 ء میں ہوئی۔ (تاریخِ مدینہ منوّرہ، از مولانا محمد عبدالمعبود351-361)۔

شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کا مسجد نبویؐ کا توسیعی پلان

24 ستمبر2012ء کو شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز مرحوم نے مسجدِنبویؐ کی تعمیر و توسیع کے ایک بڑے منصوبے کا سنگِ بنیاد رکھا، جس پر2014ء میں کام شروع ہوا۔ یہ منصوبہ تین مراحل پر مشتمل ہے، جس کی تکمیل پر مسجد کا کُل رقبہ گیارہ لاکھ مربع میٹر پر محیط ہوگا۔ جہاں16لاکھ نمازی بیک وقت نماز ادا کرسکیں گے۔ پہلے مرحلے پر مسجد کے مشرقی جانب ایک لاکھ مربع میٹر کا اضافہ کیا جارہا ہے۔ 82ہزار مربع میٹر پر ایک عظیم الشّان دو منزلہ عمارت تعمیر کی جارہی ہے، جس کا60فی صد کام مکمل ہوچکا ہے۔

دُوسرے اور تیسرے مرحلے میں شمال مغربی جانب کام شروع کیا جائے گا۔ اس توسیع کے دوران مزید 27 نئے گنبد اور 6 مینار تعمیر کیے جائیں گے۔ تمام توسیع شدہ حصّوں کی چھت کو مسجد کی پُرانی عمارت سے ملا دیا جائے گا۔ یوں نمازیوں کے لیے چھت پر بھی ایک وسیع جگہ میسّر آجائے گی۔ شاہ سلمان نے اپنے حالیہ دورے میں مسجدِ نبویؐ کے توسیعی پروگرام پر کام تیز کرنے کے احکامات جاری کیے۔ (العربیہ ڈاٹ نیٹ)۔

روضۂ رسولؐ (حجرہ شریف)

یہ وہ مبارک کمرا ہے، جہاں اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہؓ رہائش پذیر تھیں۔ یہ مسجد نبویؐ کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اس کی تعمیر بھی مسجدِ نبویؐ کے ساتھ عمل میں آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حجرے میں وفات پائی اور اسی حجرے کے جنوبی جانب تدفین عمل میں آئی۔ امّاں عائشہؓ حجرے کے شمالی حصّے میں مقیم رہیں۔ آپؓ کے والدِ ماجد، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی تو ان کی تدفین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اَطہر سے تقریباً ایک فٹ نیچے عمل میں آئی، یعنی اُن کا سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں کے برابر رکھا گیا۔ اُن کے بعد حضرت عُمرؓ نے وفات پائی تو اُن کا سر بھی حضرت ابوبکرؓ سے ایک فٹ نیچے یعنی اُن کے کاندھے کے برابر رکھا گیا۔

سیّدنا عُمر فاروقؓ کی تدفین سے پہلے تک اَمّاں عائشہؓ نے اپنے اور قبروں کے درمیان کوئی رُکاوٹ قائم نہیں فرمائی تھی۔ آپؓ فرماتی تھیں کہ ''اُن میں سے ایک میرے شوہر ہیں اور دُوسرے میرے والد۔'' لیکن جب انہوں نے سیّدنا عُمر فاروقؓ کو اپنے حجرے میں تدفین کی اجازت دی، تو تدفین کے بعد آپؓ نے اپنے اور قبروں کے درمیان پردہ کردیا۔ اَمّاں عائشہؓ نے اپنی زندگی کا بیش تر حصّہ اسی حجرے میں گزارا۔ 17رمضان المبارک 58ہجری میں وفات پائی۔ جنّت البقیع میں تدفین ہوئی۔ (اُمہات المومنینؓ، 71)۔

حجرہ شریف کی پنج گوشہ دیوار: 93ہجری میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حجرہ شریف کی تعمیرِ نو کی اور قبورِ مبارکہ کے گرد ایک پنج گوشہ قدآور دیوار قائم کروادی، جس میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔ حجرئہ شریف میں حضرت عمر فاروقؓ کے برابر میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تدفین ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر اُتریں گے۔ وہ45سال تک زندہ رہیں گے۔ قیامت کے دن مَیں، عیسیٰؑ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اکٹھے اُٹھیں گے۔'' (مشکوٰۃ شریف، 480)۔

مقصورہ شریف: حجرۂ مبارک کی پنج گوشہ دیوار کے اطراف تین میٹر کے فاصلے سے لوہے اور پیتل کی جالیوں سے حدبندی کی گئی ہے۔ اسے مقصورہ شریف کہتے ہیں۔ مقصورہ شریف کی حدبندی سب سے پہلے سلطان رکن الدین بیبرس نے 669ہجری بمطابق 1270عیسوی میں کی تھی۔ 886ہجری بمطابق 1481عیسوی کو مسجد نبویؐ میں آتش زدگی کے بعد سلطان قاتیبائی نے لوہے اور پیتل کی جالیاں بنوا کر بھجوائیں، جن کا وزن17870کلوگرام تھا۔ جنوب میں قبلے کی جانب پیتل کی یہ خُوب صورت جالیاں لگائی گئیں، جن کا نام ''مواجہہ شریف'' ہوگیا۔

یہاں سے زائرین صلوٰۃ و سلام پیش کرتے ہیں۔ ان حسین جالیوں میں مرقدِ اَقدس کے سامنے پہلا بڑا دائرہ اور پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے دو نسبتاً چھوٹے دائرے ہیں۔ بقیہ تین سمتوں میں فولادی جالیاں ہیں، جن پر گہرا سبز رنگ چڑھا ہوا ہے۔ مقصورہ شریف کے چار دروازے ہیں۔ پہلا دروازہ ''باب التوبہ'' قبلے کی دیوار میں ہے۔ دُوسرا ''باب الوفود'' مغرب میں اسطوانہ وفود سے ملا ہوا ہے۔

مشرق میں تیسرا دروازہ ''بابِ فاطمہؓ'' خاتونِ جنت بی بی فاطمہؓ کے گھر کے ساتھ، جب کہ چوتھا دروازہ ''باب التہجّد'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ تہجّد کے قریب ہے۔ خصوصی مہمانوں کے لیے صرف مشرقی دروازہ کھولا جاتا ہے۔ پنج گوشہ دیوار میں کوئی دروازہ نہیں ہے اور یہ دیوار تمام اطراف سے ہرے رنگ کے ریشمی پردے سے ڈھکی ہوئی ہے۔ (نشاناتِ ارضِ نبویؐ، 214)۔

گنبدِ خضراء: روضۂ اَقدس پر پہلی مرتبہ گنبد مملوکِ مصر، سلطان قلاوون نے 678ہجری بمطابق1279عیسوی میں تعمیر کروایا۔ یہ لکڑی کا ایک خُوب صورت گنبد تھا، جو گنبد الصغراء'' کے نام سے مشہور ہوا۔ 886ہجری بمطابق 1481عیسوی کو آتش زدگی کے باعث گنبد شہید ہوگیا۔ چناں چہ888ہجری میں سلطان قاتیبائی نے کالے پتھروں سے ایک گنبد بنوایا اور اس پر سفید رنگ کروادیا۔ اسے '' گنبدِ بیضاء'' کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ 1233ہجری بمطابق1818عیسوی میں عثمانی سلطان محمود بن عبدالحمید خان نے سلطان اشرف قاتیبائی کے گنبد کی جگہ ایک نیا گنبد تعمیر کروایا۔

1837ء میں اس پر سبز رنگ کروایا۔ اور یہ گنبدِ خضراء کے نام سے مشہور و معروف ہوا۔ اس کے بعد مزید گنبد بھی بنے۔ عبدالمجید عثمانی کی تعمیر کردہ مسجد کے سارے حصّے میں گنبد ہی گنبد

ہیں، لبتہ ان کے سائز مختلف ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد170ہے۔ شاہ فہد بن عبدالعزیز نے جو مسجدِ نبویؐ میں تاریخ کی سب سے بڑی توسیع کروائی تھی، اس میں27 متحرک گنبد بنائے گئے ہیں، جو بجلی سے حرکت کرتے ہیں۔یہ گنبد اپنی ساخت اور زیبائش و آرائش میں اپنی مثال آپ ہیں۔ (مدینہ منوّرہ، ڈاکٹر احمد شعبان، 47)۔

ریاض الجنۃ

یوں تو مسجدِ نبویؐ کرّۂ اَرض پر دُوسری سب سے مقدّس و محترم عبادت گاہ ہے، لیکن اس کا ایک قطعہ ایسا بھی ہے کہ جس کے بارے میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔'' (صحیح بخاری، 1196)۔ مزید فرمایا کہ ''جو شخص جنّت کے باغات میں سے کسی باغ میں نماز پڑھنے کا خواہش مند ہو، تو اسے میری قبر اور میرے منبر کے درمیان نماز پڑھ لینی چاہیے۔'' (کنزالعمال، جِلد12 ، صفحہ، 260)۔ گھر سے مُراد مشرق کی جانب اُمّ المومنین کا وہ حجرۂ مبارکہ ہے، جہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اَطہر ہے، جب کہ مغرب میں منبرِ رسولؐ ہے، جس کے بارے میں فرمایا کہ روزِ محشر اسے حوضِ کوثر پر منتقل کردیا جائے گا۔

ریاض الجنہ کا مشرق سے مغرب کی جانب طول 26.5 میٹر ہے۔ تاہم، اس کا کچھ حصّہ حجرہ شریف کے گرد محیط جالیوں کے اندر آجانے سے اب اس کی لمبائی 22 میٹر رہ گئی، جب کہ عرض شمال سے جنوب 15 میٹر ہے، چناں چہ اب ریاض الجنہ کا کُل رقبہ 397.5 مربع میٹر ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا زیادہ تر وقت اسی قطعۂ بہشت میں گزارتے تھے۔ یہی وہ مرکزِ اَنوار و تجلّیات ہے کہ جہاں سے طلوع ہونے والی ایمان کی روشن کرنوں نے پوری دُنیا کو منوّر کردیا۔

یہی وہ منبعِ رُشد و ہدایت ہے کہ جہاں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، محسنِ اِنسانیت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علمی استفادہ کرتے تھے۔ اسی قطعۂ اَراضی سے مظلوموں کو انصاف، غریبوں کی دادرسی سے لے کر مملکتِ اسلامیہ کے جملہ اُمور سرانجام دیئے جاتے تھے۔ اسی محترم قطعہ کے ستونوں کے سائے میں قیصر و کسریٰ، عجمی و فارسی سمیت یہود و نصاریٰ کے بادشاہوں کو خطوط کے ذریعے دین کی دعوت دی جاتی۔ زیارت کے لیے دُور دراز سے آنے والے وفود سے ملاقاتیں ہوتیں، لوگ جُوق دَر جُوق مسلمان ہوتے تھے۔ جنّت کی اسی کیاری میں بیٹھ کر ظالم و جابر کفّار و مشرکین سے جہاد کے لیے مجاہدین روانہ کیے جاتے۔

یہ مقامِ مقدّسہ مسلمانانِ عالم کے رُوحانی سکون کا مرکز، جنّت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ جہاں اِنس و جن اور فرشتے ہمہ وقت ذکر اَذکار میں مصروف رہتے ہیں، جہاں ہر وقت ، ہر لمحہ رحمتوں کی بارش

کا سلسلہ جاری و ساری رہتا ہے۔یومِ حشر جب دُنیا فنا ہوجائے گی، پہاڑ رُوئی کے گالوں کی طرح ہوا میں بکھر جائیں گے۔ اُس وقت ریاض الجنہ کو اسی طرح زمین سے اُٹھا کر آسمانوں میں لے جایا جائے گا اور جنّت کے باغوں کا حصّہ بنا دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جنّت کے دو یاقوت عطا فرمائے تھے۔ ایک حجرِ اَسود اور دُوسرا مقامِ ابراہیم ؑ، جن پر چڑھ کر انھوں نے خانۂ کعبہ کی تعمیر فرمائی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنّت کا پورا ایک قطعہ عطا فرمادیا۔ ریاض الجنہ کی درج ذیل تین چیزیں اپنی قدر و منزلت کے اعتبار سے نہایت منفرد ہیں۔

مسجد نبویؐ کی محرابیں

طیبہ یونی ورسٹی مدینہ منوّرہ کے اُستاد ڈاکٹر احمد محمد شعبان اپنی کتاب ''مدینہ منوّرہ'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس وقت مسجد نبویؐ میں پانچ محرابیں ہیں۔ پہلی محراب ''محرابِ نبویؐ '' ہے یہ ریاض الجنۃ میں واقع ہے، اس کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس جگہ پر بنوایا تھا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کی امامت فرماتے تھے۔ تحویلِ قبلہ کے بعد موجودہ محراب 888 ہجری مطابق 1483 عیسوی میں سلطان اشرف قاتیبائی نے بنوائی تھی۔

دُوسری ''محرابِ عثمانی''ہے، جو مسجد کے آگے والے حصّے میں قبلہ والی دیوار میں ہے۔ اُسے حضرت عمربن عبدالعزیز نے اُس جگہ بنوایا تھا، جہاں کھڑے ہو کر حضرت عثمان بن عفانؓ مسجدِ نبوی کی توسیع کے بعد امامت فرماتے تھے۔ بعد میں سلطان اشرف قاتیبائی نے اس کی تجدید و ترمیم کروائی۔ تیسری ''محرابِ تہجّد''ہے۔یہ محراب اس وقت حجرہ شریف کی شمالی دیوار میں آگئی ہے۔یہ محراب اُس جگہ بنائی گئی، جہاں عموماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد اَدا فرماتے تھے۔

چوتھی ''محرابِ سیّدہ فاطمہؓ''ہے۔یہ محراب مقصورہ شریف کے اندر آچکی ہے اور اس جگہ ہے، جہاں حضور ﷺ کی چہیتی صاحب زادی خاتونِ جنّت سیّدہ فاطمہؓ کا حجرۂ مبارک ہے۔ پانچویں ''محرابِ سلیمان یا محرابِ حنفی''ہے۔یہ منبر شریف کی سیدھ میں مغربی سمت تیسرے ستون کے قریب ہے۔ جسے طوغان شیخ نے 860ہجری بمطابق1455عیسوی میں بنوا کر اس میں امامت کے لیے حنفی مسلک کا امام منتخب کیا۔ پھر سلیمان قانونی نے 938 ہجری بمطابق 1531 عیسوی میں تجدید کروائی اور اُسی کی طرف یہ محراب منسوب ہوگئی۔ (مدینہ منورہ، ڈاکٹر احمد شعبان،42)۔

منبرِ نبویؐ

سیّدنا جابر بن عبداللہؓبیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کے دن خطبے کے وقت ایک کھجور کے تنے کے سہارے کھڑے ہو جاتے تھے۔ کبھی کبھی خطبہ طویل ہوجاتا، چناں چہ ایک انصاری عورت یا مرد نے گزارش کی ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! کیا ہم آپ کے لیے ایک منبر نہ بنوادیں؟''تو آپؐ نے فرمایا ''جیسے تمہاری مرضی۔''تو انصار نے آپؐ کے لیے ایک منبر بنادیا۔

جب جمعے کا دن ہوا اور آپؐ منبر پر تشریف فرما ہوئے، تو وہ تنا بچّے کی طرح چیخ چیخ کر رونے لگا۔ حضورﷺ منبر سے اُترے اور اس تنے کو آغوش میں لے لیا تو وہ اس بچّے کی طرح ہچکیاں لینے لگا، جسے چُپ کروایا جا رہا ہو۔ آپؐ نے فرمایا ''تنے کا رونا، ذکرِ الٰہی سے محرومی کی بنا پر تھا، جسے وہ پہلے قریب سے سُنا کرتا تھا۔'' (صحیح بخاری،3584)۔ جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ تنے سے رونے کی آواز آئی۔ آخر حضورﷺ نے جب اس پر ہاتھ رکھا، تو وہ چُپ ہوگیا۔ (صحیح بخاری،3585)۔

یہ منبر8ہجری میں بنایا گیا تھا۔ اس کی تین سیڑھیاں تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیسری سیڑھی پر تشریف فرما ہوتے تھے۔ جب سیّدنا ابوبکرؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو وہ از راہِ اَدب دُوسری سیڑھی پر بیٹھتے تھے۔ جب سیّدنا عمر فاروقؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو پہلی سیڑھی پر بیٹھتے اور پاؤں زمین پر رکھ لیتے تھے۔ سیّدنا عثمانؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو چھے سال تک اسی پر عمل پیرا رہے۔ پھر وہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ کی جگہ بیٹھنے لگے۔ حضرت امیر معاویہؓ حج پر آئے، تو انہوں نے اصل منبر کے نیچے مزید چھے سیڑھیوں کا اضافہ کردیا۔ یوں منبر کی نو سیڑھیاں بن گئیں۔ خلفاء ساتویں سیڑھی پر بیٹھتے۔ یہ اصل منبر کی پہلی سیڑھی تھی۔ جہاں سیّدنا عمر فاروقؓ بیٹھتے تھے۔ (تاریخِ مدینہ منورہ، دارالسلام،83)۔

حضرت سہیل بن سعدؓ نے روایت بیان کی ہے، ان سے پوچھا گیا کہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ کا یہ منبر کس چیز کا تھا؟ وہ بولے۔ اب لوگوں میں اس کے متعلق جاننے والا مجھ سے زیادہ کوئی نہیں ہے۔ وہ مقام غابہ کے جھائو سے بنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک انصاری عورت کے غلام نے تیار کیا تھا۔ (صحیح بخاری، 377)۔ ''غابہ'' مدینہ منوّرہ کے مضافات میں ایک جنگل کا نام تھا، جب کہ ''جھاؤ'' ایک درخت کا نام ہے، جس کی لکڑی بہت مضبوط ہوتی ہے۔

باب نمبر 19

کھجور کا تنا جنّت الخلد میں: حافظ ابنِ حجرؒ عسقلانیؒ سیدنا بریدہؓ کی روایت سنن دارمی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس خشک تنے کو پیار و محبّت سے چُپ کراویا، تو اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''اگر تیری چاہت ہو تو تجھے سابقہ حالت پر لوٹا دیا جائے، تاکہ تُو سر سبز و شاداب ہو کر میوہ جات سے لد جائے اور اگر تیری چاہت ہو، تو تجھے بہشتِ جاوداں میں بٹھا دیا جائے، تاکہ تُو جنّت کی نہروں اور چشموں سے سیراب ہو کر جنّت کی اَبدی بہاروں سے لُطف اندوز ہو اور تیرا پھل جنّت کے مکین کھائیں۔'' کھجور کے تنے نے جواب دیا۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں جنّت میں جانا پسند کروں گا۔'' پھر آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا ''اس نے جنّت الخلد کو اختیار کرلیا ہے۔ یعنی اس نے جہانِ فانی پر عالمِ جاودانی کو ترجیح دی۔'' چناں چہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اُسے اُسی جگہ یا منبر کے نیچے گڑھا کھود کر دفن کر دیا گیا اور اب وہ جنّت کی لازوال نعمتوں سے لُطف اندوز ہو رہا ہے۔'' (تاریخِ مدینہ منوّرہ، محمد عبدالمعبود، 387)۔

منبر شریف کی تبدیلی: 654ہجری بمطابق 1256عیسوی میں مسجدِ نبویؐ میں آتش زدگی کا رُوح فرسا حادثہ پیش آیا، جس میں اصل منبر شریف بھی نذرِ آتش ہوا، چناں چہ اس کا جو حصّہ بچ گیا تھا، وہ ایک صندوق میں بند کرکے استوانہ حنانہ کے قریب دفن کردیا گیا۔ دو سال بعد یمن کے بادشاہ ملک مظفر شاہ نے صندل کی لکڑی کا خُوب صورت منبر بنوا کر بھیجا۔ منبر کی تبدیلی کئی مرتبہ ہوئی اور اخری منبر 998ہجری بمطابق 1589ء میں سلطنتِ عثمانیہ کے فرماں روا، سلطان مراد خاں نے سنگِ مرمر کا انتہائی خُوب صورت، دیدہ زیب اور کاری گری کے بہترین نمونے کی صُورت بھیجا۔ آج بھی مسجد نبویؐ میں وہی دیدہ زیب منبر موجود ہے۔ (تاریخِ مسجدِ نبویؐ، محمد الیاس عبدالغنی، 119)۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا ''میرے گھر اور منبر کا درمیانی ٹکڑا جنّت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر میرے حوض (کوثر) پر ہوگا۔'' (صحیح بخاری، 1888، 1196)۔

"اسطواناتِ رحمت''، مسجد نبویؐ کے ستون

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد کے 27 ستون تھے، جو درحقیقت کھجور کے تنے تھے۔ عہدِ عثمانی تک یہ ستون جوں کے تُوں رہے، البتہ توسیع کے وقت کھجور کے تَنوں کی جگہ منقّش پتّھر کے ستون نصب کردیئے گئے۔ ان ستونوں میں سے ریاض الجنۃ کے احاطے

میں واقع 8 ستون اپنا تاریخی پس منظر رکھتے ہیں۔ یہ آٹھوں ستون بڑی فضیلتوں کے حامل ہیں۔ یہاں صحابہ کرامؓ کثرت سے نوافل ادا کرتے تھے۔ چناں چہ انہیں ''اسطواناتِ رحمت'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ تُرکوں نے ان ستونوں پر سنگِ مرمر چسپاں کرکے بالائی حصّے پر اسطوانہ کا نام کندہ کروادیا۔

اسطوانہ مخلقہ۔ اسطوانہ حنانہ: یہ ستون قبلے کی سمت محرابِ نبویؐ سے متصل امام کے دائیں جانب واقع ہے۔ اس ستون پر خلوق نامی خُوشبو کثرت سے لگائی جاتی تھی، جس کی وجہ سے خلوق خوشبو سے معطر ستون کے نام سے مشہور ہے۔ اس پر جلی لفظوں سے ''ھٰذہِ اسطوانۃ المخلقہ'' لکھا ہوا ہے اور یہی وہ جگہ ہے، جہاں منبر تیار ہونے کے بعد کھجور کا خشک تنا فراقِ نبیؐ میں رونے لگا تھا۔ اس لیے اس کا نام ستونِ حنانہ یعنی رونے والی اُونٹنی والا ستون پڑ گیا۔

اسطوانہ عائشہؓ : اسے اسطوانہ مہاجرین اور اسطوانہ القرع بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ریاض الجنۃ کے وسط میں ہے اور جانبِ قبلہ جانبِ منبر اور جانبِ روضۂ اَطہر سے تیسرا اسطوانہ ہے۔
اس پر بھی ''ھٰذہ اسطوانۃ سیّدۃ عائشہؓ'' لکھا ہوا ہے۔ اس جگہ پر آپؐ نے تحویلِ قبلہ کے چند دنوں بعد تک نماز پڑھائی۔ یہ ستون اکثر مہاجر صحابہؓ کی سجدہ گاہ اور مقامِ نشست تھا۔ سیّدہ عائشہ صدیقہؓ

نے اس مقام کی فضیلت کے بارے میں آگاہ فرمایا تھا، لہٰذا اس کا نام اسطوانہ عائشہؓ معروف ہوگیا۔ (روضہ شریف، ڈاکٹر احمد محمد شعبان، 32)۔

اسطوانہ توبہ: اسے اسطوانہ ابولبابہ بھی کہا جاتا ہے۔یہ مشرقی سمت میں اسطوانہ عائشہؓ کے پہلو میں ہے۔ جانبِ قبلہ سے تیسرا، منبر سے چوتھا اور قبرِ مبارک سے دُوسرا ستون ہے۔یہ وہ ستون ہے، جس سے مشہور انصاری صحابی حضرت ابو لبابہؓ نے قبولیتِ توبہ تک خود کو باندھے رکھا تھا۔

اسطوانہ سریر: یہ ستون حجرۂ نبویؐ کی جالیوں سے بالکل متصل ہے اور اسطوانہ توبہ سے مشرق کی سمت منبر شریف سے چوتھا اور سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کے حجرے کے بالکل قریب ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی اورچٹائی اس ستون کے قریب بچھائی جاتی تھی۔ سیّدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اَقدسؐ اعتکاف کے دوران اپنا سر مبارک دروازے کی جانب کر لیا کرتے تھے اور مَیں آپؐ کے سر میں کنگھی کر دیا کرتی تھی۔ (بخاری شریف، 271/1)۔

اسطوانہ حرس: یہ اسطوانہ علیؓ کے نام سے بھی موسوم ہے۔یہ شمال کی جانب باب حجرہ کے مقابل اسطوانہ توبہ کے پیچھے والا ستون ہے۔ حرس کے معنیٰ پاسبانی و حفاظت کے ہیں۔ سیّدنا علی ابن طالبؓ اسی جگہ پر بیٹھ کر حفاظت و نگرانی کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے، اسی لیے یہ اسطوانہ حرس کے نام سے مشہور ہوگیا۔

اسطوانہ وفود: یہ اسطوانہ حرس سے شمال میں پہلا ستون ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے آنے والے وفود سے ملاقات کے لیے اس جگہ تشریف فرما ہوتے تھے، چناں چہ یہ اسطوانہ وفود کے نام سے مشہور ہوا۔

اسطوانہ تہجّد: یہ ستون سیّدہ فاطمۃ الزھرہؓ کے حجرہ مبارک کے شمال میں واقع ہے۔ اس کے بالمقابل اصحابِ صُفّہ کا چبوترا ہے۔ بابِ جبرئیل سے مسجد میں داخل ہوں، تو یہ جگہ عین سامنے پڑتی ہے۔ اس کے دائیں جانب شمال میں صُفّہ کا چبوترا ہے۔ اس مقام پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ تہجّد ادا فرماتے تھے۔

اسطوانہ جبرئیل علیہ السلام: یہ ستون اس وقت روضۂ مبارک کی جالی کے اندر آگیا ہے۔ اس جگہ سیّدنا جبرئیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آتے اور حضورؐ سے ملاقات کرتے تھے۔ یہ جگہ حضرت فاطمہؓ کے گھر سے متصل تھی۔ حضور ﷺ جب حجرۂ عائشہؓ سے آتے تو اس مقام پر ٹھہر کر صاحب زادی سے گفتگو فرماتے تھے۔

مکبرہ یا مقصورہ مبلّغین: حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ سیّدنا عُمر فاروقؓ نے فرمایا کہ حضرت بلالؓ مسجد نبویؐ سے متصل اُمّ المومنین سیّدہ حفصہ بنتِ فاروقِ اعظمؓ کے مکان میں واقع مینار پر چڑھ کر اذان دیا کرتے تھے۔ (اخبارِ مدینہ، 86)۔

شیخ ابراہیم رفعت پاشا لکھتے ہیں کہ ''عہدِ نبویؐ اور دورِ خلفائے راشدین میں مؤذن کے لیے جگہ متعین نہ تھی۔ مسجد کے مغرب میں سیّدنا عبداللہ بن عُمرؓ کے مکان میں واقع ایک ستون پر، جسے دارالعشرہ کہا جاتا تھا، حضرت بلالؓ اذان دیا کرتے تھے۔ اور اس پر سیڑھی کے ذریعے چڑھتے تھے۔ اموی خلیفہ، ولید بن عبدالملک کے عہد میں مدینے کے گورنر حضرت عُمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبویؐ کے چاروں کونوں میں اذان کے لیے مینار بنوائے تھے۔

سعودی حکومت کے دَور میں مدینہ منوّرہ میں برقی نظام قائم ہوجانے کے باعث مسجد نبویؐ میں لائوڈ اسپیکر بھی نصب کر دیئے گئے، جن پر اذان دی جانے لگی۔ محرابِ نبویؐ کے سامنے 250 سینٹی میٹر اُونچا ایک مقصورہ بنا ہوا ہے، جو آٹھ خُوب صورت ستونوں پر قائم ہے۔ اس کے جنوب مغرب میں اُوپر چڑھنے کے لیے زینہ ہے، جس کا دروازہ اذان دینے کے وقت کے علاوہ مقفّل رہتا ہے۔ اس پر لائوڈ اسپیکر اور براڈکاسٹ کے آلات بھی نصب ہیں۔ مؤذن اور چند مخصوص رفقاء اس پر نماز پڑھتے ہیں۔ (تاریخِ مدینہ منوّرہ، محمد عبدالمعبود، 413)۔

مدینہ منوّرہ کی دُوسری تاریخی مساجد

مسجد قباء: یہ مدینۂ منوّرہ میں زمانۂ اسلام میں تعمیر ہونے والی پہلی مسجد ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں فرماتا ہے ''یقیناً وہ مسجد، جس کی بنیاد شروع دن ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہوں۔'' (سورۂ توبہ آیت، 108)۔ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب مکّہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر قباء پہنچے، تو آپؐ نے یہ مسجد تعمیر فرمائی اور اس کی تعمیر میں بنفس نفیس شریک ہوئے۔ آپؐ گاہے بہ گاہے، خصوصاً ہفتے کے روز یہاں تشریف لاتے اور نماز ادا فرماتے تھے۔

سیّدنا ابنِ عُمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتے پیدل یا سوار مسجدِ قباء میں تشریف لاتے اور وہاں دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری، 1193)۔ حضرت سہل بن حنیفؓ سے مروی ہے کہ ''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''جو شخص گھر سے نکل کر مسجدِ قباء میں آئے اور یہاں دو رکعت نماز پڑھے۔ اُسے ایک عُمرے کا ثواب ملے گا۔'' (سنن ابنِ ماجہ 453/1)۔

حضرت عُمر بن عبدالعزیز نے پہلی مرتبہ مینار تعمیر کروایا۔ اُن کے بعد بھی ہر دور میں حکم رانوں نے مسجد کی تعمیر و توسیع پر خصوصی توجہ دی۔ 1968ء بمطابق 1388 ہجری میں شاہ فیصل نے اَز سرِ نو اس کے شمالی جانب اضافہ کرکے ایک نئی خُوب صورت مسجد تعمیر کروائی۔ 1405 ہجری 1984 عیسوی میں شاہ فہد نے تعمیر و توسیع کا حکم دیا۔ چناں چہ اب مسجد کا مجموعی رقبہ 13500 مربع میٹر ہوگیا، جس میں بیک وقت بیس ہزار افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجد میں 56 چھوٹے گنبد، 6 بڑے گنبد اور چار خُوب صورت مینار ہیں۔

مسجدِ جمعہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد قباء سے مدینہ منوّرہ تشریف لے جاتے ہوئے راستے میں بنو سالم بن عوف کے محلّے میں نمازِ جمعہ ادا فرمائی۔ صحابہ کرامؓ نے اس جگہ مسجد تعمیر کردی۔ چناں چہ اسے مسجدِ جمعہ کہا جانے لگا۔ حضرت عُمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دورِ گورنری میں اسے دوبارہ تعمیر کروایا۔ شاہ فہد کے دور میں مسجد کی نئی تعمیر اور توسیع ہوئی، چناں چہ اب اس کا رقبہ 1630مربع میٹر ہے۔بیک وقت 650 نمازی مسجد میں سما سکتے ہیں۔ اس مسجد میں ایک گنبد ہے، جس کا قطر 12میٹر ہے اس کے علاوہ چار چھوٹے قُبّے بھی ہیں۔ اس کے مینار کی بُلندی 25 میٹر ہے۔ مسجدِ جمعہ، قباء سے 500 میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ (تاریخ مدینۃ منوّرہ، 105)۔

مسجد اجابہ: اس مسجد میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کے لیے دُعائیں کی تھیں، پہلی دُعا تھی کہ میری اُمّت قحط سالی سے ہلاک نہ ہو۔ یہ دُعا بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوگئی۔ دُوسری تھی، میری اُمّت غرق ہوکر تباہ نہ ہو۔ اسے بھی منظور فرما لیا گیا۔(صحیح مسلم 2216/4)۔ مسجدنبویؐ کے شمال مشرقی میں یہ مسجد 580میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ عہدنبویؐ میں بنو معاویہ کے محلّے میں تعمیر ہوئی تھی، اس لیے اسے مسجدِ بنو معاویہ بھی کہتے ہیں۔

مسجد قبلتین: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں بیت المقدس کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھا رہے تھے کہ قبلہ کی تبدیلی کا حکم نازل ہوا۔ دو رکعتیں مکمل ہو چکی تھیں۔ ابھی تیسری رکعت شروع ہی کی تھی کہ وحی نازل ہو گئی۔ ''ترجمہ: ''ہم آپ کے رُخِ اَنور کو بار بار آسمانوں کی جانب اُٹھتا دیکھ رہے ہیں، لہٰذا ہم آپ کا مُنہ اسی قبلے کی جانب پھیر دیتے ہیں، جو آپ کو پسند ہے، آپ اپنا مُنہ مسجد حرام (کعبہ) کی جانب پھیر لیجیے، اور جہاں کہیں بھی ہوں، اپنا رُخ (مسجدِ حرام) کی طرف کرلیا کریں۔'' (سورۃ البقرہ، 144) بیت المقدس مدینے کے شمال میں ہے، جب کہ کعبۃ اللہ جنوب میں واقع ہے۔

چناں چہ حکم ملتے ہی آپ ﷺ جنوب کی جانب چلے گئے اور صحابہؓ نے بھی اپنا رُخ تبدیل کرلیا۔ قبیلہ بنو سلمہ کی جس مسجد میں یہ واقعہ پیش آیا، وہ ''مسجدِ قبلتین'' کے نام سے مشہور ہے۔ یعنی دو قبلوں والی مسجد۔ یہ مسجد مدینہ منوّرہ کے شمال مغرب میں مسجدِ نبویؐ سے ساڑھے تین کلومیٹر کے فاصلے پر وادیٔ عقیق کے قریب واقع ہے۔ 1543 عیسوی میں عثمانی سلطان سلیمان اعظم نے اس کی تعمیرِ نو کروائی تھی۔ بعدازاں، سعودی دَور میں شاہ فہد نے اسے اَزسرِنو تعمیر کروایا۔ مسجد کی اس نئی عمارت میں دو منزلیں ہیں۔ مینار بھی دو ہیں اور گنبد بھی دو ہیں۔ اسی طرح سے محراب بھی دو ہیں ایک شمال میں بیت المقدس کی جانب دُوسری جنوب میں مکّہ مکرمہ کی جانب۔ مسجد کا مجموعی رقبہ 3920 مربع میٹر ہے۔ (سیرتِ رحمۃ للعالمین، صفحہ 232)۔

مسجد ابوذر (مسجد السجدہ): یہ مسجد شارع ابوذر پر مسجدِ نبویؐ سے شمال کی جانب نو سو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کا ایک نام مسجد شُکر بھی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ اس جگہ آپؐ نے اتنا طویل سجدہ کیا کہ میں ڈر گیا، کہیں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنے پاس نہ بُلا لیا ہو۔ اس موقعے پر حضور ﷺ نے فرمایا، ''جبرئیل نے مجھے خوش خبری دی تھی کہ جو مجھ پر درود شریف پڑھے گا، اللہ اس پر رحمت فرمائے گا اور جو مجھ پر سلام کہے گا، اللہ تعالیٰ اُسے سلامتی دے گا۔'' اس پر آپؐ نے یہاں طویل سجدۂ شُکر ادا فرمایا۔ (مسندِ احمد3/130حدیث نمبر1664)۔ اس وقت یہ مسجد ابوذر کے نام سے معروف ہے۔ حکومتِ سعودیہ نے1421ہجری بمطابق2000عیسوی میں اسے خُوب صورت انداز میں دوبارہ تعمیر کروایا۔ اس وقت مسجد کا رقبہ324مربع میٹر ہے۔

مسجدِ میقات (مسجدِ شجرۃ): یہ مسجد وادئ عقیق کے مغربی سمت میں مسجدِ نبویؐ سے تقریباً بارہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کی پہلی تعمیر حضرت عُمربن عبدالعزیزؒ کے عہدِ امارت میں انجام پائی۔ اس کی آخری بار تعمیر و توسیع شاہ فہد بن عبدالعزیز کے دَور میں ہوئی۔ اس کے رقبے میں کئی گنا اضافہ کرکے اسے نہایت خُوب صورت جدید انداز میں تعمیر کیا گیا، جس میں مسجد سے ملحق

غسل خانے، وضو خانے اور احرام پہننے کی جگہیں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ گاڑیوں کی پارکنگ کا بھی معقول انتظام ہے، مسجد کی موجودہ پیمائش چھے ہزار مربع میٹر ہے۔ مسجد کے درمیان میں ایک ہزار مربع میٹر پر کھلا صحن رکھا گیا ہے۔ مسجد میں ایک نہایت دل فریب اور خُوب صورت مینار بھی ہے، جو اس کے حُسن کو چار چاند لگاتا ہے، اس مینار کی بُلندی 64 میٹر ہے۔

مسجد رایہ (مسجد ذباب): ''سلع'' پہاڑ کے نزدیک شمال کی جانب ''ذباب'' نامی ایک چھوٹی سی پہاڑی پر یہ مسجد اپنی قدیم شکل میں موجود ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوئہ خندق کے موقعے پر اس جگہ خیمہ نصب فرمایا تھا۔ اس مسجد کی تعمیر بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دَورِ امارت میں ہوئی۔ اس کی شکل چوکور اور پیمائش صرف 61 میٹر ہے، جب کہ اُونچائی 5 میٹر ہے۔ سعودی وزارتِ اوقاف نے اس مسجد کو قدیم شکل میں باقی رکھا ہوا ہے۔ (مدینہ منوّرہ، ڈاکٹر احمد محمد شعبان، 78)۔

مسجدِ سبق: یہ مسجدِ نبویؐ کے شمال مغرب میں جدید توسیع سے 520 میٹر دُور واقع ہے۔ شارعِ ابوبکر صدیقؓ (شارعِ سلطانہ) کی طرف سے سرنگ میں داخل ہوں، تو داہنی طرف یہ مسجد واضح نظر آتی ہے۔ یہاں دَورِ نبویؐ میں جہاد کی تیاری کے لیے گھڑدوڑ ہوا کرتی تھی۔ دو منزلہ مسجد کی پہلی

منزل میں دُکانیں اور وضو خانے ہیں۔ دُوسری منزل تک جانے کے لیے شمال کی طرف سیڑھیاں ہیں۔ مسجد کی لمبائی 35 میٹر اور چوڑائی 25.6 میٹر ہے۔ کُل رقبہ 896 مربع میٹر ہے۔ شمال مغربی حصّے پر ایک خُوب صورت مینار ہے۔ موجودہ عمارت شاہ فیصل کے دَور میں تعمیر ہوئی۔ اس مسجد کو الحرمین الشریفین کے قاضی علّامہ سیّد محی الدین حنبلی نے نویں صدی میں تعمیر کروایا تھا۔ (مدینے کی تاریخی مساجد، ڈاکٹر الیاس عبدالغنی،60)۔

مسجد غمامہ: یہ مسجد، مسجد نبویؐ کے جنوب مغرب میں باب السلام سے نصف کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اب آخری توسیعِ عمارت سے اس کا فاصلہ 305 میٹر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری برسوں میں اس مقام کو عیدگاہ بنایا تھا اور یہ میدانِ مصلّٰی کے نام سے معروف تھی۔ حضرت عباد بن تمیم اپنے چچا (عبداللہ بن زیدؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ ’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں تشریف لے گئے۔ بارش کی دُعا کی۔ قبلہ کی جانب چہرۂ اَقدس فرمایا۔ اپنی چادر کو اُلٹایا اور دو رکعت نمازِ استسقاء ادا کی۔‘‘ (صحیح بخاری حدیث، 1027)۔

سیّدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی وفات کی اطلاع اُسی دن فرما دی تھی، جس دن وہ فوت ہوئے تھے۔ پھر آپؐ صحابہؓ کو لے کر عیدگاہ تشریف لے گئے۔ نمازِ جنازہ پڑھائی اور اس میں چار تکبیریں کہیں۔'' (صحیح بخاری، 1245)۔ یہ نجاشی کی غائبانہ نمازِ جنازہ تھی۔ مسجد کا رقبہ 763.7 مربع میٹر ہے اور بُلندی 12 میٹر۔ مسجد کی موجودہ عمارت سلطان عبدالمجید عثمانی کی تعمیر کردہ ہے۔ چودہویں صدی ہجری میں سلطان عبدالحمید ثانی نے اس کی مرمّت کروائی۔ 1411ہجری بمطابق 1990ء میں خادم الحرمین الشریفین، شاہ فہد بن عبدالعزیز نے مسجد کی مرمّت، تجدید اور تزئین و آرائش کروائی۔ (تاریخِ مدینہ منوّرہ، 112)۔

مسجدِ ابوبکر صدیقؓ: یہ مسجد عیدگاہ میدان میں مسجدِ غمامہ سے شمال مغرب میں صرف 40 میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں سیّدنا ابوبکر صدیقؓ نے اپنی خلافت کے دوران نمازِ عید ادا فرمائی تھی۔ مسجد کا کُل رقبہ 292.5 مربع میٹر ہے۔ موجودہ عمارت سلطان محمود خان عثمانی نے 1254ہجری میں تعمیر کروائی تھی۔ 1411ہجری میں شاہ فہد بن عبدالعزیز نے مسجد کی مرمّت، ترمیم و تجدید کروائی۔

مسجد علیؓ: یہ عیدگاہ میں قائم تیسری مسجد ہے، جو مسجدِ ابوبکر صدیقؓ کے شمال میں مسجد غمامہ سے ایک سو بائیس میٹر دُور اور مسجد نبویؐ سے دو سو نوّے میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سیّدنا علی مرتضیٰؓ نے یہاں عید کی نماز پڑھائی تھی، جب کہ حضرت عثمانؓ کو باغیوں نے اُن کے گھر میں محصور کردیا تھا۔ سیّدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے زمانۂ امارت میں اس جگہ مسجد تعمیر کروائی تھی۔ (وفاء الوفا، 785/3)۔ 1411ہجری میں خادم الحرمین الشریفین، شاہ فہد بن عبدالعزیز نے پرانی عمارت ڈھا کر ایک نئی اور خُوب صورت عمارت تعمیر کروائی۔ مستطیل نما اس عمارت کی لمبائی 31 میٹر، چوڑائی 22 میٹر اور کُل رقبہ 882 مربع میٹر ہے۔ محراب کے اُوپر 13 میٹر بُلند ایک بڑا گنبد اور اس کے اطراف 11 میٹر بلند 7 چھوٹے گنبد ہیں۔ مسجد پر قائم مینار کی بُلندی 26 میٹر ہے۔ مسجد کے مشرقی دروازے کے بائیں جانب تختی پر مسجد کا نام، تجدید کا سن اور شاہ فہد کا نام درج ہے۔

مسجدِ عمرؓ: مسجدِ نبویؐ کے جنوب مغرب میں 455 میٹر کے فاصلے پر اور مسجدِ غمامہ سے 123 میٹر دُور قباء کو جاتے ہوئے بائیں جانب واضح نظر آتی ہے۔ مسجد کی موجودہ عمارت 1266ہجری میں سلطان عبدالمجید اوّل عثمانی نے تعمیر کروائی تھی۔ مسجد مربع شکل میں ہے، جس کا رقبہ 335 مربع میٹر ہے۔ 1411ہجری میں شاہ فہد نے مسجد کی تجدید و مرمّت کروائی۔ دروازے پر نصب تختی پر اس کا نام مسجد عمرؓ بن الخطاب تحریر ہے۔

مسجدِ عثمان ذوالنّورینؓ: مسجدِ نبویؐ کے جنوب میں باب السلام سے 425 میٹر اور مسجدِ غمامہ سے 322 میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کا رقبہ 250 مربع میٹر ہے۔ یہ مسجد شیخ صدقہ حسن خاشقجی نے پندرھویں صدی کی پہلی دہائی میں تعمیر کروائی تھی۔ اس کا حضرت عثمان بن عفّانؓ سے کوئی تاریخی تعلق نہیں ہے۔ (مدینہ منورہ کی مساجد، ڈاکٹر محمد الیاس، 75)۔

مسجدِ بلالؓ: یہ مسجد باب السلام سے 610 میٹر دُور شارع امیر عبدالحسن بن عبدالعزیز (شارع قربان) کے شروع میں بائیں ہاتھ پر واقع ہے۔ یہ سہ منزلہ ہے۔ نیچے تہہ خانہ اور اُوپر سوقِ بلال یعنی بلال مارکیٹ ہے۔ تیسری منزل پر مسجد ہے، جس پر خُوب صورت گنبد اور حسین مینار ہے۔ اسے پندرھویں صدی کی پہلی دہائی میں شیخ محمد حسین ابوالعلاء نے تعمیر کروایا تھا۔ یہ کوئی تاریخی مسجد نہیں ہے، اس کی موجودہ تعمیر شاہ فہد بن عبدالعزیز کے دَور میں ہوئی۔

مسجدِ بنو حارثہ (مسجد المستراح): یہ مسجد انصار کے قبیلے بنو حارثہ کے محلّے میں واقع ہے۔ اسے مسجد المستراح بھی کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ نبی کریم غزوۂ اُحد سے واپسی پر آرام کی غرض سے کچھ دیر کے لیے یہاں ٹھہرے تھے۔ شہدائے قبرستان سے آتے ہوئے سڑک کے دائیں جانب واقع

یہ مسجد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور ہی میں تعمیر ہوگئی تھی اور بنو حارثہؓ اس میں نماز پڑھتے تھے۔ قبلے کی تبدیلی سے متعلق احادیث میں اس مسجد کا ذکر آتا ہے۔ اس مسجد کی جدید اسلوب میں تعمیر و توسیع، خادم الحرمین الشریفین، شاہ فہد کے دَور میں ہوئی۔

مساجدِ فتح: سلع پہاڑ کے مغربی سمت میں مختلف اَدوار میں چھوٹی چھوٹی مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ ان سب کی پیمائش تقریباً برابر ہے۔ مدینہ منوّرہ کی تاریخ پر لکھی جانے والی قدیم کتب میں ان کا ذکر ''مساجدِ فتح'' کے نام سے ملتا ہے۔ اس وقت یہ مساجدِ سبعہ (سات مساجد) کے نام سے معروف ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور مسجدِ فتح ہے، جو اس جگہ بنائی گئی ہے، جہاں غزوئہ خندق کے موقعے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ نصب کیا گیا تھا، اور آپؐ نے متواتر تین دن تک کفّار کی شکست اور مسلمانوں کی فتح و نصرت کے لیے بارگاہِ الٰہی میں دُعائیں فرمائی تھیں۔

جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ (مسندِ احمد، 332/3)۔ ایک روایت کے مطابق، اسے مسجدِ فتح اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوئہ خندق کے دوران اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نصرت و فتح کی وحی اُتاری تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا، ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت و فتح کی وحی

پر خوش ہوجاتو۔‘‘ یہ مسجد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دَور میں تعمیر ہوئی اور متعدد بار اس کی تجدید ہوئی۔ آخری تجدیدی کام شاہ فہد بن عبدالعزیز کے عہد میں ہوا۔

مسجد کا طول 8.5 x3.56.5 میٹر ہے۔ اس سے چند 8.5x میٹر ہے۔ صحن کھلا ہوا ہے، جس کا طول گز کے فاصلے پر تھوڑی تھوڑی دور بقیہ مساجد واقع ہیں جن کے نام اس طرح ہیں۔ مسجدِ سلمان فارسیؓ (خندق کھودنے کا مشورہ انہی نے دیا تھا)۔ یہ مسجد پہاڑ کے ابتدائی حصّے میں ہے۔ اس سے متصل ہی مسجدِ ابوبکر صدیقؓ ہے۔ پھر مسجد عُمر بن الخطابؓ ہے۔ اس سے ذرا فاصلے پر مسجد عِلیؓ اور اس کے نزدیک ہی مسجدِ فاطمہؓ یا مسجد سعد بن معاذؓ ہے۔ ان مساجد کے نہ تو مینار ہیں اور نہ گنبد۔ مسجدِ ابوبکر صدیقؓ اب موجود نہیں ہے۔ اب ان مساجد کے قریب ہی ایک نہایت خُوبصورت بڑی اور عالی شان مسجد تعمیر کی گئی ہے، جس کا نام مسجد خندق رکھا گیا ہے۔ (تاریخِ مدینہ منوّرہ، ڈاکٹر احمد شعبان، 88)۔

باب نمبر 20

جنّت البقیع.....مدینہ منورہ کا مشہور و معروف تاریخی قبرستان

بقیع الغرقد: یہ اہلِ مدینہ کا مشہور و معروف قبرستان ہے۔ عربی میں بقیع اس جگہ کو کہتے ہیں، جہاں جنگلی درخت اور جھاڑ جھنکاڑ پائے جاتے ہوں، جب کہ غرقد ایک کانٹے دار درخت کا نام تھا۔ جن کی اُس زمانے میں کثرت تھی، چناں چہ اس جگہ کا نام بقیعِ غرقد پڑگیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر درود و سلام کے بعد باب بقیع سے باہر نکلیں، تو جنوب مشرق میں مسجدِ نبویؐ کے خارجی صحن سے متصل خوب صورت جالی دار چاردیواری کے اندر یہ قبرستان واقع ہے۔ 1405ہجری میں مسجد نبویؐ کی آخری توسیع سے پہلے مسجد اور قبرستان کے درمیان ایک بڑا محلّہ آباد تھا، جس کا نام ''اغوات'' تھا اور وہاں کے لوگ مسجدِ نبویؐ کے خدّام تھے، اب یہ جگہ مسجد کے خارجی صحن میں شامل ہے۔

قبرستان کے لیے بقیع کا انتخاب: مہاجرین کی مدینہ ہجرت کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو مسلمانوں کی اموات کی تدفین کے لیے آپؐ نے کسی مناسب جگہ کی تلاش شروع فرمائی۔ اس مقصد کے پیشِ نظر آپؐ بقیع پر تشریف لائے، تو ارشاد فرمایا ''مجھے اس جگہ (بقیع) کا حکم (قبرستان کے لیے) دیا گیا ہے۔'' (مستدرک امام حاکم، 193/11)۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریمؐ کو حکم دیا تھا کہ بقیع کو قبرستان بنایا جائے۔

بقیع میں پہلی تدفین: 2 ہجری میں حضرت عثمان بن فطعونؓ کا انتقال ہوا۔ وفات پانے والے وہ پہلے مہاجر تھے۔ صحابہؓ نے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر تدفین کی جگہ سے متعلق دریافت کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ''انہیں بقیع میں دفن کیا جائے۔'' قبر کی کھدائی کے دوران ایک پتھر برآمد ہوا، جسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے سرہانے نصب فرمادیا۔

بعض اہلِ سیر کے مطابق، حضرت اسعد بن زرارہ انصاریؓ وہ پہلے صحابی ہیں، جن کی بقیع میں تدفین ہوئی۔ تاہم، ان دونوں اقوال میں جمع و تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ انصارِ مدینہ میں سے حضرت اسعد بن زرارہؓ کی تدفین پہلے ہوئی ہو، اور مہاجرین میں سے حضرت عثمان بن فطعونؓ پہلے مدفون ہوئے ہوں۔ (وفا الوفا، 322)۔

ستّرہزار افراد، بغیر حساب جنّت میں: سیرت کی کتب کے مطابق، جنّت البقیع میں دس ہزار سے زائد صحابہ کرامؓ مدفون ہیں، جن میں خاص طور پر سیّدہ عائشہ صدیقہ سمیت دیگر ازواجِ مطہرات (علاوہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت میمونہؓ۔ حضرت خدیجہؓ مکّہ مکرّمہ اور حضرت میمونہؓ مقامِ سَرِف میں مدفون ہیں) آپ ﷺ کی صاحب زادیاں، صاحب زادے ابراہیمؓ، نواسے حسنؓ، چچا حضرت عباسؓ، خلیفۂ سوم حضرت عثمانؓ بن عفان اور دیگر اہلِ خانہ، احباب و اصحاب شامل ہیں۔ ان کے علاوہ تابعین، علماء و صلحاء اور عامتہ المسلمین کی بڑی تعداد مدفون ہے۔ مستدرک کی روایت کے مطابق، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم قیس بنتِ محصنؓ سے فرمایا ''کیا تم بقیعِ غرقد کو دیکھ رہی ہو؟ اس سے ستّرہزار افراد قیامت والے دن اٹھیں گے۔ جن کے چہرے چودھویں کے چاند کی مانند چمک رہے ہوں گے اور یہ لوگ جنّت میں بے حساب داخل ہوں گے۔'' (مستدرک، 12/ 235)۔

جنّت البقیع کی فضیلت: اہلِ بقیع کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا و استغفار کی سعادت نصیب ہوئی۔ اُم المومنین سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری باری کی رات تشریف لاتے، تو رات کے آخری حصّے میں بقیع تشریف لے جاتے اور فرماتے،

ترجمہ: ''سلامتی ہو تم پر مومنین کی جماعت، جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، وہ پورا ہوکر رہا۔ اور تمہاری (جزا) کل تک کے لیے مؤخر کردی گئی۔ اور اِن شاء اللہ ہم بھی تم سے آکر ملیں گے۔ اے اللہ ! اہلِ بقیع کی مغفرت فرما۔''(مسلم شریف، 84/2)۔ سیّدنا ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''جو شخص ہمارے اس قبرستان (جنّت البقیع) میں دفن ہوا، تو مَیں اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔'' (اخبارِ مدینہ، 151)۔

تعمیر و توسیع: سلطنتِ عثمانیہ کے دَور حکم رانی میں جنّت البقیع کی تمام اہم قبروں پر لوح مزار، قبہ، تعویذ اور نشانات موجود تھے۔ آلِ سعود نے اقتدار میں آنے کے بعد ان تمام نشانات کو مسمار کردیا۔ زمانے کے ماہ و سال گزرنے کے ساتھ ساتھ قبروں کی نشان دہی ممکن نہ رہی، سوائے معدودے چند کے، جن کی روایات نسل دَر نسل چلی آرہی ہیں۔ سعودی دَور میں بقیع کی دو دفعہ توسیع ہوئی۔ پہلی شاہ فیصل کے دَور میں اور دوسری شاہ فہد بن عبدالعزیز کے عہد میں۔

چناں چہ اب اس کا کُل رقبہ174962مربع میٹر ہوگیا۔ بقیع کے چاروں جانب چار میٹر بلند دیوار بنادی گئی۔ جس کی لمبائی1724میٹر ہے۔ اس پر سنگِ مرمر لگایا گیا ہے۔ دیواریں قوسوں اور چوکور

خانوں کی صورت میں ہیں، جن میں سیاہ جالیاں نصب کی گئی ہیں۔ قبرستان کے اندر سیمنٹ کے ساتھ پختہ راستے بنادیئے گئے ہیں۔ مین گیٹ اور دیگر دروازے مناسب نشیب و فراز سے لگائے گئے ہیں۔ بقیع میں داخل ہونے کا راستہ مغرب میں گنبدِ خضراء کے عین مقابل ہے، تاکہ زائرین آسانی سے زیارت کرسکیں۔ بقیع کے دروازے حضرات کے لیے دن میں دو دفعہ کھلتے ہیں۔

فجر کے بعد سے دن کے آٹھ بجے تک، پھر بعد نمازِ عصر سے مغرب تک، خواتین کو بقیع میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ تاہم، وہ چاردیواری کے باہر جالیوں سے زیارت کرسکتی ہیں۔ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص مدینۂ منورہ کی زیارت کے لیے آئے، اس کے لیے جنّت البقیع کی زیارت مسنون ہے۔یہاں آکر مرحومین کو سلام کریں، دعائے مغفرت کریں، جیساکہ آنحضرت ؐ نے ہمیں سکھایا ہے۔ آپ ؐ کا ارشاد ہے ''مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے کہ مَیں ان (اہلِ بقیع) کے لیے دعا کروں۔ '' (تاریخ بقیع الغرقد، ہلال محمد شعبان، 37)۔

باب نمبر 21

مدینہ منوّرہ کے پہاڑ

قوسِ قزح کے رنگ : مسجد نبویؐ کے شمال میں بابِ فہد، گیٹ 21 سے باہر نکلیں تو سامنے چند کلو میٹر دُور سے ایک خُوب صُورت پہاڑ پر نظر پڑتی ہے۔یہی وہ عظمت والا پہاڑ ہے، جس کے بارے میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جبلِ اُحد ہم سے محبّت کرتا ہے اور ہم اس سے محبّت کرتے ہیں۔'' (صحیح بخاری، 4083)۔جبل اُحد کا شمار جزائرِ عرب کے مشہور و معروف پہاڑوں میں ہوتا ہے۔یہ مبارک پہاڑ مسجدِ نبوی ؐ کے شمال کی جانب تقریباً 5 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

اس کی لمبائی مشرق سے مغرب کی جانب 8 کلو میٹر، جب کہ چوڑائی 3 کلو میٹر ہے۔ اس کی سب سے بلند چوٹی 350 میٹر ہے۔یہ مدینے کے اطراف میں ایک قدرتی حصار ہے، سرخی مائل خالص ٹھوس پتھروں سے مزیّن اس حسین پہاڑ کی چٹانیں بھی قوسِ قزح کے رنگوں کی طرح دل کش ہیں۔ ویسے تو اس کی بیش تر چٹانیں سرخ، لاجوردی اور مٹیالے رنگ کی ہیں، لیکن شمال مشرق کی جانب پائی جانے والی چٹانوں کا رنگ نیلا اور آسمانی ہے، جب کہ کچھ چٹانیں سفید، سبزی مائل ہیں۔

پہاڑ کے ایک حصّے میں آتش فشاں چٹانیں بھی ہیں۔ جبلِ اُحد میں کئی تاریخی وادیاں، گھاٹیاں، قلعے، کھجور کے درخت اور چوٹی کے اطراف سرسبز ہریالی ہے۔ پہاڑ میں میٹھے پانی کے کئی چشمے بھی اس کے حُسن میں اضافے کا باعث ہیں۔ اُحد کا جنوبی حصّہ ٹھوس اور مضبوط چٹانوں پر مشتمل ہے اور اس کے دامن میں وہ وادی ہے، جہاں غزوئہ اُحد کے نام سے مشرکینِ مکّہ کے ساتھ ایک خوں ریز معرکہ وقوع پذیر ہوا تھا۔

کوہِ اُحد کے دامن میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکّہ مکرّمہ سے ہجرت کے دو سال، نوماہ اور سات دن بعد یعنی 7شوال 3ہجری بمطابق 23مارچ625عیسوی کو مشرکینِ قریش کے سپہ سالار ابوسفیان بن حرب نے اپنے تین ہزار ماہر جنگجوؤں اور جدید ترین سامانِ حرب کے ساتھ مدینۂ منورہ پر حملہ کردیا۔ اُس وقت 8کلو میٹر پر محیط جبلِ اُحد مدینۂ منورہ کا وہ قدرتی حصار تھا، جس نے دشمن کے ناپاک قدموں کو مدینہ منورہ کی جانب بڑھنے سے روک دیا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں سات سو مفلوک الحال مجاہدین کے لشکر نے بے سروسامانی کی حالت میں مشرکین کا نہایت

شجاعت وبہادری سے مقابلہ کیا، لیکن پھر اپنوں ہی کی غلطی سے اس جیتی ہوئی جنگ میں مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا۔ آپؐ کے چچا، حضرت حمزہؓ سمیت ستّر صحابہ کرامؓ شہید ہوئے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور اور ہونٹ مبارک پر زخم آئے اور رباعی دانت شہید ہوگیا۔ زخمی ہونے کے بعد چند صحابہؓ آپؐ کو اُحد پہاڑ کی جانب لے گئے۔ (صحیح بخاری، 4075-4076)جہاں آپؐ نے ایک اونچی گھاٹی میں آرام فرمایا۔ (بعض روایات میں ہے کہ اُحد پہاڑ آپؐ کو زخمی حالت میں دیکھ کر شق ہوگیا اور اس میں اتنی بڑی دراڑ پڑ گئی، جس سے ایک وقت میں ایک آدمی اندر داخل ہوسکتا تھا)۔ یہ پہاڑ کے مغربی کنارے پر ہے۔ اس دراڑ کو اگر قریب سے دیکھا جائے، تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے پہاڑ کا یہ کونا شق ہوا ہے اور وہاں رستہ بنا ہے۔ اب سے چند سال پہلے تک اُحد پہاڑ میں موجود اس گھاٹی کی زیارت کی جاسکتی تھی، بلکہ اس کے اندر اس پتھر کو بھی دیکھا جاسکتا تھا، جس کے سہارے آپؐ نے اپنے زخمی رُخِ انور اور سر مبارک کو ٹِکایا تھا۔

وہ پتھر سر مبارک رکھنے کی وجہ سے اس جگہ سے اس طرح دب گیا تھا، جیسے نرم تکیہ۔ پہاڑ کی اس گھاٹی پر پہنچنے سے پہلے آپؐ نے کم گہرائی کی ایک دوسری گھاٹی میں بیٹھ کر نمازِ ظہر کی امامت فرمائی،

پھر آپؐ اوپر تشریف لے گئے۔ ان مقامات پر خلافِ شرع امور کی وجہ سے سعودی حکومت نے پابندی لگادی ہے اور چاروں جانب خاردار تار لگا کر راستہ بند کردیا ہے، جب کہ جگہ جگہ تنبیہ کے بورڈ بھی نصب کر دیئے گئے ہیں۔ اوپر والی گھاٹی کے دروازے کو پتھروں سے مکمل طور پر بند کردیا گیا ہے۔ (راقم نے پابندی عاید ہونے سے قبل ان دونوں جگہوں کی بارہا زیارت کی ہے)۔

جبلِ اُحد کی فضیلت: کوہِ اُحد کی عظمت و اہمیت کا انداہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''ھٰذا جَبَل یحبّنا و نُحِبّہ'' یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبّت کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری، 4083) ایک اور موقعے پر ارشاد فرمایا ''اُحد رکن من ارکان الجنّۃ۔'' ترجمہ:''کوہِ اُحد جنّت کا ایک رکن ہے۔'' ایک اور موقعے پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''کوہِ اُحد جنّت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہوگا۔ جب تم اس کے پاس سے گزرو تو اس کے درختوں کا میوہ کھالیا کرو۔ اگر کچھ بھی نہ ملے، تو وہاں کی صحرا کی گھاس ہی چبالیا کرو۔'' (کنزالعمال،268) حضرت انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُحد پہاڑ پر چڑھے، تو آپؐ کے ساتھ سیّدنا ابوبکرؓ، سیّدنا عُمرؓ اور سیّدنا عثمانؓ بھی تھے۔ پہاڑ ہلنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا ''اُحد پُرسکون ہوجا، تجھ پر ایک نبیؐ، ایک صدیقؓ اور دو شہید ہیں۔'' صحیح بخاری 3675

عقبہ بن عامرؓبیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن جبلِ اُحد پر تشریف لے گئے اور غزوۂ اُحد کے شہیدوں کے لیے اس طرح نماز پڑھی، جیسے میّت کے لیے پڑھی جاتی ہے، پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا ''میں تم سے پہلے جارہا ہوں۔ میں تمہارے حق میں گواہی دوں گا۔ تم سے ملاقات حوضِ (کوثر) پر ہوگی۔'' (صحیح بخاری 3596-1344) مدینہ منورہ کی آبادی اب جبلِ اُحد تک پھیل چکی ہے۔ اس شہرِجاناں میں وقت کے ساتھ ساتھ اس قدر زیادہ تعمیر و توسیع اور ترقیاتی کام ہوئے ہیں، جن کی بنا پر اب مدینہ میں صرف اُحد پہاڑ ہی ہے، جو اپنی اصل حالت میں موجود ہے۔

جمالیاتی ہنر کا شاہ کار: مدینہ منورہ کی میونسپلٹی نے رات کے وقت اُحد کے قدرتی حُسن کو اُجاگر کرنے کے لیے لائٹنگ کے ذریعے پہاڑ کی چوٹی سے سورج طلوع ہونے کا منظر اخذ کیا ہے۔ رات کے وقت آنکھوں کو خیرہ کرنے والی ان روشنیوں نے پہاڑ کی خُوب صُورتی میں اضافہ کرکے اسے جمالیاتی ہُنر کا شاہ کار بنا دیا ہے۔

جبلِ رماق (جبلِ عینین) : جبلِ رماق کو جبل عینین بھی کہتے ہیں۔ کسی زمانے میں یہاں میٹھے پانی کے دو چشمے ہوا کرتے تھے۔ جبل رماق، کوہِ اُحد کے جنوب مغرب میں 50 میٹر کے فاصلے پر وادی قناق کے جنوبی کنارے میں ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے، جس کی لمبائی 180 میٹر اور چوڑائی 40 میٹر ہے۔

پچاس تیر اندازوں کی تعیناتی: غزوئہ اُحد کی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کی صفوں کی ترتیب فرماتے ہوئے پچاس ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی قیادت میں رماق پہاڑی پر تعینات کرتے ہوئے سختی سے تاکید فرمائی تھی کہ ''اگر تم لوگ یہ دیکھو کہ ہمیں پرندے اُچک رہے ہیں۔ تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا، یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں اور اگر یہ دیکھو کہ ہم نے انہیں شکست دے کر کچل ڈالا ہے، تب بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔

یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں۔'' (صحیح بخاری، حدیث 3039) جنگ کا آغاز نہایت جوش و جذبے اور تیز رفتاری سے ہوا اور جلد ہی گھمسان کی جنگ کی صُورت اختیار کرگیا۔ ایک طرف جزائرِ عرب کے خوں خوار جنگ جوئوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا، تو دوسری طرف جذبۂ جہاد سے

سرشار دریا کی بپھری موجیں۔ چند گھنٹوں کی لڑائی کے بعد ہی ربِ کعبہ نے اہلِ ایمان کی جھولی میں فتح و نصرت ڈال دی۔

جب فتح روٹھ کر واپس ہوگئی: میدانِ جنگ سے عرب سورما بھاگ چکے تھے۔ اُن کا قیمتی سامانِ حرب اور مال و اسباب بکھرا پڑا تھا۔ فتح سے سرشار مجاہدین نے اُسے جمع کرنا شروع کردیا۔ اُدھر جبلِ رماق پر تعینات تیر اندازیہ سمجھے کہ لڑائی ختم ہوچکی ہے۔ چناں چہ پچاس میں سے چالیس تیر اندازوں نے بھی اس حسّاس ترین مورچے کو چھوڑ دیا اور مالِ غنیمت لینے نیچے اُتر گئے۔ (صحیح بخاری، حدیث3039) اللہ کو یہ حکم عدولی پسند نہ آئی اور پھر یوں لگا کہ جیسے فتح اُن سے روٹھ کر واپس ہوگئی۔

مشرکینِ مکّہ کے نوجوان سپہ سالار خالد بن ولید نے جب رماق کا اہم مورچہ خالی دیکھا تو اچانک اپنے سو سواروں کے ساتھ پہاڑی پر ہلّہ بول دیا۔ دس مجاہد سو سے زیادہ کافروں کا مقابلہ کب تک کرتے؟ آخر کار ایک ایک کرکے سب شہید ہوگئے۔ ادھر پسپا ہوتے ہوئے مشرکین واپس پلٹے اور عکرمہ بن ابوجہل اور ابوسفیان کی قیادت میں دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کردیا۔ جب کہ خالد بن ولید بھی اپنے لشکر کے ساتھ مجاہدین کے خلاف میدان میں حملہ آور ہوگئے۔

قبرستان شہدائے اُحد: مسجد نبویؐ کے شمال میں جبلِ اُحد اور جبلِ رماق کے درمیان یہ قبرستان واقع ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ سمیت غزوہ اُحد کے ستّر شہید مدفون ہیں۔ ان ستّر شہداء میں سے 65 انصار صحابیؓ تھے، جن میں قبیلہ خزرج کے 41 اور قبیلہ اُوس کے 24 افراد شامل ہیں۔ سعودی حکومت نے قبرستان کے گرد چاردیواری بنا کر گیٹ نصب کردیا ہے، جس کے اندر جانا ممنوع ہے۔

جبلِ سلع: مسجد نبویؐ کے مغرب میں 50 میٹر دُور یہ تاریخی پہاڑی واقع ہے۔ اس کی لمبائی ایک ہزار میٹر اور چوڑائی تقریباً 5 سو میٹر ہے۔ جب کہ بلندی 80 میٹر ہے۔ یہی وہ پہاڑ ہے، جس کے مغربی دامن میں غزوۂ خندق کے موقعے پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ اس پہاڑ پر صحابۂ کرامؓ کے بھی خیمے نصب تھے۔ غزوۂ خندق اس میدان کے دامن میں لڑی گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دورِ امارت میں ان خیموں کی جگہ مساجد تعمیر کروادی تھیں۔

جن کی تعداد سات تھی۔ اسی وجہ سے جبلِ سلع کی اس جگہ کو ''سبعہ مساجد'' یعنی سات مسجدوں والی جگہ کہا جاتا ہے۔ اب یہاں صرف چار چھوٹی چھوٹی مساجد رہ گئی ہیں، جب کہ جبل سلع کے

دامن میں جنگِ خندق کے پورے میدان پر ایک بڑی خُوب صُورت اور جدید طرزِ تعمیر کی شاہ کار ''جامعہ مسجد خندق'' کے نام سے تعمیر کردی گئی ہے۔ جبلِ سلع پر ایک قدیم غار بھی واقع ہے، جسے ''غارِ سجدہ'' کہتے ہیں۔ روایت میں ہے کہ اس غار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے موقع پر سجدے کے دوران مجاہدین کی کام یابی کے لیے دُعا فرمائی تھی۔

جبل عَیر (دوزخ کا پہاڑ) : یہ پہاڑ مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں مسجد نبویؐ سے 8 کلو میٹر دُور مکّہ مکرّمہ جانے والے راستے میں مسجدِ علیؓ یعنی مسجد ذوالحلیفہ کے قریب واقع ہے۔ مدینہ منورہ کے منافقین کی اکثریت کے مکانات اسی پہاڑ کے دامن میں تھے۔ چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دشمن پہاڑ قرار دیا۔ سیّدنا انسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ مبارک جبل اُحد پر پڑی، تو زبان سے بے ساختہ اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی اور ارشاد فرمایا ''یہ پہاڑ ہم سے محبّت کرتا ہے، ہم اس سے محبّت کرتے ہیں اور یہ جنّت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، جب کہ عَیر بھی ایک پہاڑ ہے، جو ہم سے دشمنی کرتا ہے اور ہم اسے دشمن سمجھتے ہیں۔

وہ جہنّم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔'' (کنزالعمال،268) اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جمادات میں بھی دوستی، دشمنی، نیک بختی اور سعادت مندی کی کیفیات پائی جاتی ہیں۔ (تاریخ

مدینۃ منورہ، محمد عبدالمعبود، 161) جبل عَیر کا طول دو ہزار میٹر اور عرض 70میٹر ہے۔ سطحِ سمندر سے اس کی بلندی تقریباً 955 میٹر ہے۔ اس کی کوئی چوٹی نہیں ہے، بلکہ اوپر کا حصّہ ہم وار ہے۔ اسی لیے اسے گدھے کی پشت سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ (عربی میں عَیر گدھے کی ایک قسم کو کہتے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مدینے کی حد قرار دیا ہے۔ چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''مدینہ عَیر اور ثور کے درمیان حرم ہے۔'' (تاریخ مدینہ منورہ، ڈاکٹر احمد شعبان)

جبلِ ثور: یہ اُحد پہاڑ کے پیچھے شمال مغرب میں گول شکل کی ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے، جس کا رنگ مائل بہ سرخی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شمال میں حرم مدینہ منورہ کی حد قرار دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا عَیر اور ثور کے درمیان حرم مدینہ ہے۔

مدینہ منوّرہ کے آتش فشاں پہاڑ

سعودی عرب میں دو ہزار سے زائد آتش فشاں پہاڑ ہزارہا سال سے موجود ہیں۔ ان میں سے اکثر مردہ نہیں ہیں۔ بلکہ بعض میں سے تاریخ میں تیرہ مرتبہ لاوا پھوٹا ہے۔ مدینہ منورہ میں بھی آتش فشاں پہاڑوں کا ایک بڑا سلسلہ موجود ہے۔ خیبر کے علاقے میں جبل القدر واقع ہے۔ یہ پہاڑ سطحِ سمندر سے دو ہزار میٹر بلند ہے۔ اس پہاڑی پر بہت گہرے غار اور آتش فشانی دہانے موجود ہیں۔

جبلِ القدر کے نزدیک ہی جبل الابیض ہے جس کی آتش فشانی کھوہ مشہور ہے۔ جبل اُحد کی چوٹی پر بھی آتش فشانی دہانے موجود ہیں۔

اسی طرح طائف شہر کے نزدیک بھی سعودی عرب کا بڑا آتش فشانی دہانہ موجود ہے۔ جامعہ شاہ سعود میں جیالوجی کے پروفیسر ڈاکٹر عبدالعزیز بن لعبون کے مطابق، ''ان میں سے بعض آتش فشانی دہانے خُوب صُورتی میں اپنی مثال آپ ہیں۔'' مدینہ منوّرہ کے جنوب مشرق میں واقع ایک پہاڑ سے 1226 عیسوی میں نکلنے والے آتش فشاں کے لاوے نے 23 کلومیٹر تک کے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ یہاں تک کہ مسجد نبویؐ سے اس کا فاصلہ صرف 8 کلومیٹر رہ گیا تھا۔ العربیہ ڈاٹ نیٹ)۔

مدینہ منورہ کی چند مشہور وادیاں

وادئ عقیق: یہ مشہور اور تاریخی وادی مدینہ منورہ کے مغرب سے گزرتی ہوئی جبل عَیر کے شمال سے ہو کر وادئ قناۃ سے مل جاتی ہے۔ اس وادی کے بارے میں کئی احادیث موجود ہیں۔ صحیح بخاری میں امیرالمومنین سیّدنا عمر فاروقؓ بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے وادئ عقیق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ''آج رات میرے پاس میرے ربّ کی جانب سے

آنے والا (فرشتہ) آیا اور اس نے کہا، اس مبارک وادی میں نماز پڑھو۔''(صحیح بخاری، 1534)۔

وادیٔ بطحان: یہ مدینۂ منوّرہ کی بڑی وادیوں میں سے ایک ہے، جو چھوٹی چھوٹی چند وادیوں سے مل کر بڑی وادی میں تبدیل ہوئی۔ مسجدِ نبوی ؐ کے شمال مغرب سے جبلِ سلع کے مغرب تک دراز اس وسیع و عریض وادی سے متعلق اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ''جب ہم مدینۂ منوّرہ آئے، تو یہ جگہ اللہ کی زمینوں میں سب سے زیادہ وبائی زمین تھی اور وادیِ بطحان میں بدبودار اور بدمزہ پانی بہتا تھا۔'' (صحیح بخاری، 1889) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور یہ دنیا کی سب سے مبارک جگہ بن گئی۔ سیّدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے، بطحان جنّت کی نہروں میں سے ایک نہر کا دہانہ ہے۔'' (صحیح بخاری،52/80)۔

سلسلہ احادیث صحیحہ میں ایک حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے، ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''وادیٔ بطحان جنّت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔'' حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ خندق کے موقعے پر حضرت عمر فاروقؓ سورج غروب ہونے

کے وقت تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، ''یارسول اللہ ! میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی۔'' آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''ہم نے بھی نہیں پڑھی۔'' پھر آپؐ وادیٔ بطحان تشریف لے گئے۔ جہاں آپؐ نے اور ہم سب نے عصر کی نماز پڑھی اور پھر مغرب کی نماز پڑھی۔'' (صحیح بخاری، 4112)۔

وادیٔ قناۃ: پانی کے بہائو کے اعتبار سے یہ مدینۂ منوّرہ کی سب سے بڑی وادی ہے، جو طائف سے شروع ہوکر مدینۂ منوّرہ میں جبلِ رماۃ کے قریب سے گزرتی ہوئی عاقول ڈیم تک جا پہنچتی ہے۔ تاریخی روایت کے مطابق، 1226ء میں جب مدینے کے پہاڑوں نے آتش فشاں لاوا اُگلا، تو اس وادی کا رُخ شمال کی جانب ہوگیا تھا، کیوں کہ اس کے بہائو کے راستے میں آتش فشاں پہاڑوں سے آنے والے پتھر اور لاوا جمع ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے اس کے بہائو کا رُخ تبدیل ہوگیا۔ میونسپلٹی نے عاقول کے علاقے میں اس وادی کے آگے ایک دیوار بنا کر یہاں ایک ڈیم قائم کردیا، جس کے بعد سے یہاں پانی کی خاصی مقدار جمع ہوجاتی ہے۔ مدینۂ منوّرہ کی میونسپلٹی نے وادیٔ قناۃ پر ایک کثیر المقاصد منصوبے پر کام کا آغاز کیا ہے، جس کے تحت وادی کو مزید گہرا اور چوڑا کیا جائے گا، تاکہ زیادہ سے زیادہ مقدار میں بارش اور سیلابی پانی جمع کرکے استعمال میں لایا جاسکے۔

عاقول ڈیم بھی اسی پراجیکٹ کا حصّہ ہے۔ یہ منصوبہ 16 کلو میٹر پر محیط ہوگا۔ وادی کے اطراف خودرَو سبزہ زار اور قدرتی مناظر کو خُوب صُورت بناکر تفریح گاہوں میں تبدیل کیا جائے گا۔ 70ہزار مربع میٹر پر ایک جدید پارک تعمیر کیا جائے گا، تاکہ اہالیانِ مدینہ قدرتی مناظر، سبزہ زار اور باقی صحت افزا ماحول سے لُطف اندوز ہوسکیں۔ مدینۂ منوّرہ کے گورنر فیصل بن سلمان نے اپنے حالیہ دورے میں اس منصوبے پر کام کی رفتار تیز کرنے کے احکامات جاری کیے ہیں۔

وادی رانوناء: یہ وادی، مدینۂ منوّرہ کے شمال میں ایک پہاڑ کی گھاٹی سے شروع ہوکر قباء کی بستی سے گزرتی ہوئی مغرب میں وادیٔ بطحان سے جا ملتی ہے۔ اس وادی کو یہ منفرد اعزاز حاصل ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینۂ منوّرہ میںجمعے کی پہلی نماز اسی وادی میں پڑھائی تھی۔ قبا کی بستی میں اپنے قیام کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کی صبح مدینۂ منوّرہ کے لیے روانہ ہوئے اور حضرت سالم بن عوفؓ کے قبیلے کے پاس پہنچے، تو نماز جمعہ کے لیے قیام فرمایا۔ آپؐ نے یہاں نمازِ جمعہ کی ہدایت فرمائی۔ آج یہاں ’’مسجدِ جمعہ‘‘ کے نام سے موجود ایک خُوب صُورت مسجد، ہجرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حسین یادوں کو تازہ کرتی ہے۔

باب نمبر 22

مدینۂ منوّرہ کے چند تاریخی کنویں

ایک زمانے میں مدینۂ منوّرہ میں بے شمار کنویں تھے۔ اُن میں سے بہت سے ایسے تھے، جن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن ڈال کر اُن کی قدرو منزلت میں بے تحاشا اضافہ فرمادیا تھا، لیکن گزرتے وقت کے ساتھ مدینہ طیبہ کی جدید تعمیر و توسیع نے اکثر کنوئوں کا نام و نشان ہی مٹادیا۔ بہرحال، یہاں ماضی کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے اُن سات تاریخی، مقدّس و متبرک کنوئوں کا تذکرہ کیے دیتے ہیں، جن سے سرکارِدو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص تعلق رہاہے۔ یاد رہے، ''بئر'' عربی میں کنویں کو کہتے ہیں۔

بئر رومہ: یہ کنواں مدینۂ منوّرہ سے شمال کی جانب مسجد قبلتین کے شمال میں وادیٔ عقیق پر واقع ہے۔ آج بھی اس کے اطراف موجود کھجوروں کے قدآور درخت، لہلہاتے کھیت کھلیان اور سبزہ زار اس کی خُوب صُورتی میں اضافے کا باعث ہیں۔ مسلمان جب ہجرت کرکے مدینہ آئے، تو یہاں میٹھے پانی کا صرف ایک ہی کنواں تھا۔ جس کا مالک ایک شر پسندیہودی تھا اور مسلمانوں

کے ساتھ بغض وعناد کی وجہ سے کنویں کو تالا لگا کر رکھتا تھا۔ وہ شخص پانی کی منہ مانگی قیمت وصول کرتا تھا، جب کہ مفلوک الحال اور نادار مسلمان پانی خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص بئرِ رومہ خرید کر اسے مسلمانوں کے لیے وقف کردے، تو اسے اس کے صلے میں جنّت ملے گی۔'' چناں چہ سیّدنا عثمان غنیؓ نے اسے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کردیا۔

ذی الحجہ35ہجری میں باغیوں نے امیرالمومنین سیّدنا عثمان غنیؓ کے گھر کا محاصرہ کرکے آپؓ کا پانی بند کردیا تھا۔ ایک دن حضرت عثمانؓ نے گھر کی چھت سے باغیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''اے لوگو! تم اچھی طرح سے واقف ہو کہ جب مسلمانوں نے یہاں ہجرت کی، تو مدینے میں اس وقت بئرِرومہ کے علاوہ میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہیں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر مَیں نے اسے خرید کر عام مسلمانوں کے لیے وقف کردیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جنّت کی بشارت دی تھی۔ آج تم مجھے اس کا پانی پینے سے محروم کررہے ہو۔'' (جامع ترمذی، 3699)۔

بئرالغرس: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بئرغرس کی منڈیر پر تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں نے رات خواب میں دیکھا کہ میں جنّت کے چشموں میں سے ایک چشمے پر بیٹھا ہوں اور وہ چشمہ بئرغرس ہے۔'' (وفاء الوفاء، 2/146) ۔ سیّدنا ابنِ عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بئرغرس جنّت کے چشموں میں سے ایک چشمہ ہے۔'' (کنزالعمال، 12/267)۔ یہ کنواں مسجدِ قباء سے چار سو میٹر شمال مشرق کی جانب واقع ہے۔ یہ ایک صحابی حضرت سعد بن خیثمہؓ کی ملکیت تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جتنے دن قباء کی بستی میں قیام فرما رہے، اسی کنویں کا پانی نوش فرماتے رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے شہد کا تحفہ پیش کیا۔ آپؐ نے اس میں سے کچھ کھایا اور باقی بئرغرس میں ڈال دیا۔ ساتھ ہی کئی بار اپنا لعابِ دہن بھی اس کنویں میں ڈالا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا پانی میٹھا، ہاضم اور باعثِ شفاء تھا۔ بئرغرس کا پانی گہرا سبزمائل تھا، یہ پانیا آپؐ کو نہ صرف محبوب تھا، بلکہ آپؐ کی وصیت کے مطابق آپؐ کو آخری غسل بھی اسی کنویں کے پانی سے دیا گیا تھا۔ 1972ء تک یہ کنواں، اس سے ملحق مسجد اور باغ الغرس موجود تھے، لیکن بعد میں یہ بھی مدینۂ منوّرہ کی تعمیر وتوسیع کی نذر ہوگئے۔

بئرِ اریس: یہ کنواں مسجدِ قباء سے مغرب کی جانب 38 میٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ اریس نامی ایک یہودی کی ملکیت تھا اور اسی کے نام پر مشہور ہوا۔ سیّدنا ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مَیں نے ارادہ کیا کہ آج سارا دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزاروں گا۔ مَیں نے گھر پر وضو کیا اور مسجد میں آکر حضورؐ کے بارے میں دریافت کیا، معلوم ہوا کہ آپؐ قباء کی جانب تشریف لے گئے ہیں۔ قباء پہنچا، تو معلوم ہوا کہ آپؐ بئرِ اریس پر تشریف فرما ہیں۔ یہ کنواں ایک باغ کی چاردیواری کے اندر واقع تھا۔ مَیں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اریس نامی اس کنویں میں پاؤں لٹکا کر منڈیر پر تشریف فرما تھے۔

اتنے میں دستک ہوئی، دیکھا کہ سیّدنا ابوبکر صدیقؓ آئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ''اُنھیں اندر آنے دو اور جنّت کی خوش خبری سُنادو۔'' مَیں نے تعمیلِ ارشاد کی اور پھر دروازہ بند کردیا۔ صدیقِ اکبرؓ حضورؐ کے پہلو میں کنویں کے اندر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ پھر دستک ہوئی، تو دیکھا کہ فاروقِ اعظمؓ تشریف لائے ہیں۔ حضورؐ کے حکم پر انہیں بھی جنّت کی خوش خبری سُنائی۔ وہ بھی کنویں میں پائوں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ میں پھر دروازہ بند کرکے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر دستک ہوئی، دیکھا کہ عثمان غنیؓ تشریف لائے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر انہیں بھی جنّت کی

خوش خبری سُنائی گئی۔ وہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کنویں میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ (واقعے کی تفصیل کے لیے رجوع فرمائیں، صحیح بخاری، حدیث 3674، 3695، 6216، 7262، 7097)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک انگشتری (انگوٹھی) ہوا کرتی تھی۔ جسے آپؐ مُہر کے طور پر استعمال فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ کے بعد وہ صدیقِ اکبرؓ پھر فاروقِ اعظمؓ اور اُن کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے پاس آگئی۔ یہ انگوٹھی چھے سال تک حضرت عثمانؓ کی انگلی میں رہی۔ 30ہجری میں حضرت عثمانؓ ''بئراریس'' پر تشریف لے گئے۔ وہاں وہ انگوٹھی آپؓ کے ہاتھ سے کنویں میں گرگئی۔ حضرت عثمانؓ نے فوری طور پر انگوٹھی کی تلاش شروع فرمادی۔ کنویں کا تمام پانی سینچ لینے کے باوجود مسلسل تین دن تک انگوٹھی کی تلاش جاری رہی، لیکن وہ نہ مل سکی۔ حضرت عثمانؓ کو اس کے کھونے کا بڑا ملال تھا۔ کہتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد ہی سے حضرت عثمانؓ پر مشکلات وپریشانی کے دَور کا آغاز ہوگیا۔ حالاں کہ آپؓ نے فوری طور پر اس جیسی ایک دوسری انگوٹھی بنوا کر پہن لی تھی۔ (خلفائے راشدین،82)۔ 1972ء میں اریس کا وہ کنواں سڑک کی توسیع کی زد میں آکر معدوم ہوگیا۔ اب اس کا کوئی نام ونشان موجود نہیں ہے۔

بئرحاء: مسجدِ نبویؐ کے شمال میں چند میٹر کے فاصلے پر ایک احاطے کے اندر کھجوروں کے باغ کے درمیان یہ کنواں موجود تھا۔ 1984ء میں مسجدِ نبویؐ کی آخری توسیع سے پہلے تک یہ باغ اورکنواں موجود تھے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''مدینہ طیبہ کے انصار میں سے حضرت ابو طلحہؓ کے پاس سب سے زیادہ باغات تھے۔ اُن تمام باغات میں انہیں اپنا کھجوروں کا باغ بئرحاء بہت زیادہ عزیز تھا۔ یہ باغ مسجدِ نبوی کے قریب تھا۔ چناں چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عموماً وہاں تشریف لاتے۔ اس باغ کے درمیان ایک کنواں تھا، جس کا پانی نہایت شیریں، ٹھنڈا اور خوش ذائقہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پانی کو نوش فرماتے تھے۔

اس اثناء میں سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر92نازل ہوئی۔ لَن تَنالُوا البِرَّحتّٰی تُنفقوا ممّا تُحبُون(ترجمہ) ''تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکوگے، جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو، بے شک اللہ اسے خُوب جاننے والا ہے۔''اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابو طلحہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! مجھے اپنی محبوب چیزوں میں سے ''بئرحاء'' سب سے زیادہ عزیز ہے، مَیں اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا آپؐ جس طرح چاہیں، اسے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق استعمال میں لائیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طلحہؓ کی اس فراخ دلانہ سخاوت کو پسند کرتے ہوئے فرمایا۔ ''اے ابو طلحہ ! تمہارا یہ خلوص آخرت میں تمہارے لیے بڑا فائدہ مند ثابت ہوگا۔ اب تم اسے اپنے غریب رشتے داروں میں تقسیم کرو۔'' چناں چہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ (صحیح بخاری،4554)۔ یہ باغ اور بئرحاء بھی شاہ فہد بن عبدالعزیز کے عہد میں مسجد کی تعمیر و توسیع کی نذر ہوگیا۔ مسجد نبویؐ کے شمال میں بابِ فہد گیٹ نمبر 21 سے مسجد میں داخل ہوں، تو بائیں جانب پہلی صف میں قالین کے نیچے فرش پر تین گول دائرے بنے ہوئے ہیں۔ درمیانی دائرے کا مخصوص نشان بئرحاء کی نشان دہی کرتا ہے۔ (یہ بات راقم کو مسجد انتظامیہ کے ایک بزرگ عربی رکن نے بتائی، جب کہ دیگر نے بھی اس کی تصدیق کی)۔

بئرالعہن: مدینۂ منوّرہ کے سات تاریخی کنوئوں میں سے ایک بئرالعہن ہے۔ یہ کنواں مسجد قباء سے ایک کلو میٹر کے فاصلے پر محلّہ العوالی میں واقع ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اس کنویں کا نام العسرۃ تھا، جو مشقّت کے معنوں میں آتا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اسے چٹان تراش کر بنایا گیا تھا، لیکن اس کا پانی نہایت نمکین تھا۔ مدینہ ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اس محلّے میں تشریف لے گئے۔ آپؐ نے اس کنویں سے وضو کے بعد پانی نوش فرمایا، جو نمکین

تھا۔ آپؐ نے اپنا لعابِ دہن کنویں میں ڈالا اور اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائی۔ اس کے ساتھ ہی آپؐ نے اس کا نام تبدیل کر کے الیُسرۃ یعنی کشادگی اور آسانی رکھ دیا۔ آپؐ کی دُعا اور لعابِ دہن کی برکت سے اس کنویں کا پانی میٹھا ہوگیا۔

بئر بضاعہ: یہ کنواں مسجد نبویؐ کے جنوب مغرب میں واقع تھا۔ شاہ فہد کے عہد میں مسجد کی توسیع میں یہ کنواں بھی مسجد کی حدود میں شامل ہو کر اپنی شناخت کھو چکا۔ بئر بضاعہ کے تعلق سے ایک حدیث سنن ابوداؤد میں حضرت ابو سعید خُدریؓ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپؐ کے لیے بئر بضاعہ سے پانی لایا جاتا ہے، حالاں کہ اس کنویں میں نجس چیزیں ڈالی جاتی ہیں۔'' آپؐ نے فرمایا ''پانی پاک ہوتا ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔'' (سنن ابوداؤد، حدیث 67)۔

بئر البُصّ: یہ کنواں جنّت البقیع سے قباء کی جانب جاتے ہوئے راستے میں ایک باغ کے اندر واقع تھا۔ ساتھ ہی حضرت ابو سعید خُدریؓ کا گھر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہداء کی زیارت اور ان کے اہل وعیال کی مزاج پُرسی کو تشریف لے جاتے، تو اس کنویں کا پانی نوش فرماتے۔ ایک مرتبہ آپؐ حضرت ابو سعید خدریؓ کے گھر تشریف لے گئے، جمعے کا دن تھا۔ آپؐ نے ابو سعید خدریؓ

سے سر دھونے کی خواہش کا اظہار فرمایا اور کنویں پر تشریف لے گئے۔ آپؐ نے سر مبارک دھویا اور استعمال شدہ پانی کنویں میں ڈال دیا۔ (اخبارِ مدینہ46)۔ بئرِ بُصّہ کا شمار بھی مدینۂ منوّرہ کے سات تاریخی کنوئوں میں ہوتا ہے۔

باب نمبر23

شاہ فہد قرآنِ کریم پرنٹنگ کمپلیکس

ارشادِ باری تعالیٰ ہے ''بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' (سورۃ الحجر آیت 9) اور یقیناً آج چودہ سو برس گزرجانے کے باوجود اس کے زیر زبر میں بھی کوئی کمی یا بیشی نہیں کی جا سکی۔ ہم سب واقف ہیں کہ نزولِ قرآن کریم کی ابتدا مکّہ مکرّمہ میں ہوئی مگر اس کا بیش تر حصّہ ارضِ مدینہ طیبہ میں نازل ہوا۔ اور پورے قرآن کریم کا نزول بائیس سال پانچ ماہ اور چودہ دن میں مکمل ہوا۔ عملی طور پر قرآن کریم کے احکامات کا نفاذ بھی آنحضرت ﷺ کی نگرانی اور سرپرستی میں پہلی مرتبہ مدینے کی ارضِ مقدس ہی میں ہوا۔ آنے والے وقتوں کی نزاکتوں کے پیشِ نظر خلیفہ اوّل سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے قرآن کریم کی تمام آیات کو جمع کرواکر ایک مستند نسخہ تیار کروایا۔

حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں یہ نسخہ حضرت حفصہ بنت عمر فاروقؓ کے پاس محفوظ تھا۔ سیدنا عثمان غنیؓ نے ایک بڑا کام یہ کیا کہ اس مستند قرآن کے کئی نسخے تیار کروائے اور انہیں مکّہ مکرّمہ، بصرہ، یمن، کوفہ اور شام وغیرہ میں بھجوا دیئے۔ آج دنیا بھر میں وہی مستند قرآن کریم ہے، جسے سیدنا ابوبکرؓ نے تحریراً تدوین کروایا اور سیدنا عثمان غنیؓ نے اس کے نسخے تیار کروا کر دنیا کے مختلف ممالک میں بھیجے۔

سعودی حکومت کا عظیم کارنامہ: سعودی حکومت نے قرآنِ کریم کی حفاظت، طباعت اور تقسیم کا خصوصی انتظام کرتے ہوئے مدینۂ منوّرہ میں دنیا کا سب سے بڑا اور عظیم الشان پرنٹنگ کمپلیکس تعمیر کیا ہے۔ ڈھائی لاکھ پچاس ہزار مربع میٹر کے رقبے پر محیط یہ عظیم تعمیراتی شاہ کار مدینہ طیبہ شہر کے شمال مغرب میں تبوک روڈ پر واقع ہے۔ خادم الحرمین الشریفین، شاہ فہد بن عبدالعزیز نے اس منفرد عظیم قرآن محل کا سنگِ بنیاد 16 محرم الحرام 1403ء ہجری بمطابق 2، نومبر 1982ء کو رکھا اور صفر 1405 ہجری بمطابق اکتوبر 1984 عیسوی کو کمپلیکس میں عملی کام کا آغاز ہوا۔

اس قرآن کمپلیکس میں انتظامی عمارات، دیکھ بھال اور سیکیوریٹی کے مراکز دنیا کی جدید ترین پرنٹنگ مشینوں پر مشتمل پرنٹنگ پریس، ریسرچ لیبارٹریز، کوالٹی کنٹرول لیب، اسٹورز، رہائشی عمارتیں، ہاسٹلز، لائبریری، تحقیق و جستجو اور بحث و تمحیص کے لیے آڈیٹوریم، ڈسپنسری، جامع مسجد اور ریسٹورنٹ موجود ہیں اور تمام متعلقہ شعبہ جات نہایت تن دہی کے ساتھ اپنے فرائض کی تکمیل کے لیے ہمہ وقت سرگرداں رہتے ہیں۔ نماز اور کھانے کے وقفوں کے علاوہ طباعت کا کام دن رات جاری رہتا ہے۔

ماہر علمائے کرام کی جماعتیں طباعت کے مختلف مراحل کے دوران ایک طے شدہ نظام کے تحت نگرانی و رہنمائی کے لیے ہمہ وقت مستعد و فعال رہتی ہیں۔ قرآنِ کریم کی طباعت کو غلطیوں سے پاک رکھنے کے لیے ہر نسخے کو سخت ترین کوالٹی کنٹرول کے پراسس سے گزارنا ہوتا ہے، جس

کی تکمیل کے بعد ہر نسخے پر مُہر ثبت کردی جاتی ہے۔ نیز، طباعت کے دوران تمام کارکنان کا باوضو رہنا ضروری ہے۔

اس کمپلیکس میں قرآن کریم کے مختلف زبانوں میں تراجم کی طباعت کے دوران، ان زبانوں کے ماہر اہلِ علم جانچ پڑتال اور نگرانی کے امور پر تعینات کیے جاتے ہیں۔یہاں اردو، انگریزی، ترکی، فرانسیسی، صومالی، جرمنی، جاپانی، چینی، تاملی، بوسنائی، انڈونیشی، قذاقی، بروہی، ہندی اور بنگالی سمیت 50سے زائد زبانوں میں قرآنِ کریم کے تراجم چھاپے جاتے ہیں۔ پھر ترجمے و تفاسیر کے علاوہ دنیاکی زندہ زبانوں میں آڈیو کیٹس بھی تیار کرکے مختلف ممالک میں بھیجے جاتے ہیں۔

کمپلیکس کی سالانہ پیداواری گنجائش ایک کروڑ 50لاکھ نسخے ہے اور ان نسخوں سے استفادہ کرنے والے ممالک کی تعداد 90سے زائد ہے۔ اب تک 20کروڑ سے زائد نسخے دنیا بھر میں تقسیم کیے جا چکے ہیں۔ قرآن کمپلیکس کا دورہ کرنے والے تمام زائرین کو قرآنِ کریم کا ایک نسخہ بطور تحفہ پیش کیا جاتا ہے۔ اسی طرح تمام حجاجِ کرام کو بھی حج سے واپسی پر جدّہ یا مدینہ ائرپورٹ پر بادشاہ کی جانب سے قرآنِ مجید کا تحفہ پیش کیا جاتا ہے۔

مدینہ کے تعلیمی مراکز

مدینہ یونی ورسٹی: ''جامعہ اسلامیہ مدینۃ منوّرہ '' کے نام سے اس یونی ورسٹی کی بنیاد25ربیع الاوّل 1381ہجری میں رکھی گئی۔ اس کے پہلے سرپرستِ اعلیٰ ولی عہد، فہد بن عبدالعزیز مقرر ہوئے۔

اس جامعہ میں 150 ممالک کے طلبہ بلامعاوضہ اقامتی تعلیم حاصل کررہے ہیں، جن کے جملہ اخراجات سرکاری سطح پر اٹھائے جاتے ہیں۔ یاد رہے، اس یونی ورسٹی میں ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی) تک کی جدید تعلیم دی جاتی ہے۔

مدرسہ دارالحدیث مدینۂ منوّرہ: یہ مدرسہ 1351ہجری بمطابق 1923ء میں سعودی حکم راں، شاہ عبدالعزیز کی تائید و تعاون سے قائم ہوا۔ جہاں دنیا بھر سے تشنگانِ علم اپنی پیاس بجھانے آتے ہیں۔ یہ مدرسہ دینی تعلیم کے فروغ میں قابلِ قدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس وقت مدرسے کی مجلسِ منتظمہ کی سربراہی سعودیہ کے سابق مفتیٔ اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز کے پاس تھی، ان کی شدید خواہش کے پیش نظر 1384ہجری بمطابق 1964ء میں مدرسے کو جامعہ سے ملحق کردیا گیا۔ جب کہ ان کی وفات کے بعد سے مدرسے کی سربراہی سعودیہ کے مفتیٔ اعظم، شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن محمد آل شیخ کے سپرد ہے۔ (تاریخ مدینۂ منوّرہ، دارالسلام،124-123)۔

جامعہ طیبہ یونی ورسٹی: 1425ہجری میں ابنِ سعود یونی ورسٹی اور شاہ عبدالعزیز یونی ورسٹی سمیت چند دیگر تعلیمی اداروں کو ضم کرکے طیبہ یونی ورسٹی (جامعہ) تشکیل دی گئی، جس میں سائنس کالج، میڈیکل کالج، کمپیوٹر ٹریننگ کالج، انجینئرنگ کالج، اکائونٹینسی فیکلٹی، ٹیچر ٹریننگ کالج، ٹیکنالوجی کالج اور گرلز کالج اپنے اپنے شعبوں میں اہم تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہاں تعلیم، صنعت و صحت کے میدان میں بہت سے چھوٹے بڑے سرکاری اور

نجی ادارے وجود میں آگئے ہیں، جو بہترین تعلیم و تربیت فراہم کررہے ہیں۔ (تاریخِ مدینہ منورہ، ڈاکٹر احمد محمد شعبانی، 111)۔

مدینۂ منوّرہ کے کتب خانے

شاہ عبدالعزیز لائبریری: ایک لاکھ سے زائد قدیم اور جدید کتب پر مشتمل اس عظیم الشّان لائبریری کا قیام 1403ہجری بمطابق 1983ء عمل میں آیا۔ مدینہ منورہ کے تمام قدیم کتب خانے، جو پہلے محکمۂ اوقاف کی زیرِ نگرانی تھے، اب اس لائبریری میں ضم کردیئے گئے ہیں۔ مسجدِ طوبیٰ کے مغربی صحن سے متصل یہ لائبریری ایک پرشکوہ عمارت میں قائم ہے۔

مسجدِ نبوی ؐلائبریری: یہ لائبریری حرم نبوی ؐ کے اندر شمال کی جانب پہلی منزل پر موجود ہے اور صبح آٹھ بجے سے بعد ازنمازِ عشاء کھلی رہتی ہے۔یہاں 50ہزار سے زائد کتب موجود ہیں۔

پبلک لائبریری: یہ لائبریری مسجد نبویؐ کی جنوبی جانب اوقاف لائبریریز کمپلیکس میں قائم ہے۔ اس میں 35ہزار سے زائد کتب موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بھی چند اہم کتب خانے ہیں۔ مثلاً کتب خانہ جامعہ طیبہ یونی ورسٹی، کتب خانہ اسلامی یونی ورسٹی، کتب خانہ قرآن کمپلیکس، مکتبۂ آلِ ہاشم، مکتبۂ شیخ حماد انصاری، مکتبۂ مجمع البرکہ الخیری اور مکتبۂ النادی العربی کے علاوہ بھی بہت سے ذاتی کتب خانے اور لائبریریز وغیرہ۔

مدینۂ منورہ کی کھجوریں: اللہ تعالیٰ نے اس شہرِ جاناں کو کھجوروں کی بے شمار اقسام سے نوازا ہے۔ تاریخِ کبیر میں ایک سو انتالیس اور خلاصۃ الوفاء میں ایک سو تیس اقسام بیان کی گئی ہیں۔ عام طور پر بیس اقسام کی کھجوریں مدینے کے بازار میں دست یاب رہتی ہیں، جن میں سے عجوہ سب سے مشہور و معروف ہے۔ آنحضرتؐ نے عجوہ کا درخت اپنے دستِ مبارک سے لگایا تھا۔

سیّدنا سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا، ''جو شخص صبح نہار منہ سات عدد عجوہ کھجور کھالے، تو اس پر سارا دن زہر اور جادو اثر نہیں کرے گا۔'' (صحیح بخاری، 5436) ایک اور جگہ فرمایا ''عجوہ جنّت کی کھجوروں میں سے ہے اور یہ زہر کا تریاق ہے۔'' (ابنِ ماجہ، 247) مسجدِ نبویؐ کے جنوب مغرب میں بابِ سلام سے چند سو میٹر دور دنیا کا سب سے بڑا کھجور بازار ہے، جہاں مدینے میں پیدا ہونے والی کھجوروں کی تمام اقسام نہایت ارزاں قیمت پر دست یاب ہیں۔

مدینۂ منوّرہ کے جدید میوزیم

مسجد نبویؐ کی بین الاقوامی نمائش: جنوری 2021ء میں مدینہ منورہ کے گورنر، شہزادہ فیصل بن سلمان بن عبدالعزیز نے مسجد نبویؐ کے احاطے میں ایک منفرد نمائش کا افتتاح کیا۔ جس میں مدینۂ منوّرہ کے عہدِ قدیم سے دَورِ جدید تک کے تمام اہم حالات و واقعات کو جدید ترین ٹیکنالوجی کے ذریعے اُجاگر کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی ہجرتِ مدینہ سے اسلامی ریاست کے قیام اور غزوات

سے فتح مکّہ تک کی جدوجہد، پیغمبرِ اسلام کی ثقافتی، معاشرتی و اصلاحی کاوشیں اور مکارمِ اخلاق کو منفرد اور تیکنیکی و اختراعی سہولتوں کے ذریعے نہایت خُوب صُورتی اور مہارت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس نمائش میں تھری ڈی کمپیوٹرائزڈ سسٹم اور دنیا کی جدید ترین ٹیکنالوجی کی مدد سے اسلامی نشاطِ ثانیہ کی فلم بندی اس طرح کی گئی ہے کہ ناظرین خود کو اس ماحول کا حصّہ سمجھنے لگتے ہیں۔ مسجدِ نبویؐ کی زیارت کے لیے جانے والوں کو یہ نمائش ضرور دیکھنی چاہیے۔

دارالمدینہ میوزیم: مسجدِ نبویؐ کے جنوب میں ائرپورٹ روڈ پر 3 کلو میٹر کی مسافت کے بعد نئے ریلوے اسٹیشن کے دائیں جانب یہ میوزیم قائم کیا گیا ہے، جس میں مدینۂ منوّرہ کی مرحلہ وار تاریخ اجاگر کی گئی ہے۔ یہاں بہت سے پرانے ماڈل بھی رکھے گئے ہیں، مثلاً عہدِ نبویؐ میں مدینۂ منوّرہ کا ماڈل، مسجدِ نبویؐ کی ابتدا سے آج تک مرحلہ وار تعمیر و توسیع کی تفصیلات۔

اُمہات المومنینؓ کے حجروں کے ماڈلز اور غزوۂ خندق میں کھودی جانے والی خندق کے ماڈل سمیت مختلف غزوات کی عکّاسی، نیز، پرانے دَور کے سامانِ حرب، عام استعمال کی اشیاء سمیت مدینۂ منوّرہ کی تاریخ اور اس کے قدیم ورثے کو جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے محفوظ کیا گیا ہے۔ یہ عہدِ قدیم کی تاریخ پر مبنی ایک بہت خُوب صُورت میوزیم ہے۔

قدیم ریلوے اسٹیشن اور عجائب گھر

مسجد نبوی ؐ کے جنوب مغرب میں دس منٹ کی مسافت پر باب عنبریہ کے ساتھ سیاہ گنبدوں والی خُوب صُورت عنبریہ مسجد ہے۔ سرمئی پتھروں سے مزیّن اس مسجد کو ''ترکی مسجد'' بھی کہا جاتا ہے۔ مسجد کے دوسری طرف سرمئی تراشیدہ خُوب صُورت پتھروں سے تعمیر کیا جانے والا مدینے کا حجاز ریلوے اسٹیشن عرب اور ترک فنِ تعمیر کا حسین امتزاج ہے۔یہ ریلوے اسٹیشن مدینۂ منوّرہ کے اہم تاریخی مقامات میں سے ہے۔

اس کی بنیاد سلطنتِ عثمانیہ کے سلطان، عبدالحمید کے دَورِ حکومت میں رکھی گئی اور 28 اگست 1908ء کو پہلی ریل دمشق سے 1330 کلومیٹر کا فاصلہ طے کرکے مدینۂ منوّرہ پہنچی۔ اس طرح تاریخ میں پہلی مرتبہ اس شہر مقدس کو باہر کی دنیا سے مربوط کردیا گیا۔ 1330 کلو میٹر طویل اس ریل کے سفر میں جگہ جگہ چھوٹے بڑے 76 ریلوے اسٹیشن بنائے گئے تھے۔ اس سے پہلے لوگ حجازِ مقدس کا سفر اونٹوں پر کیا کرتے تھے جو دو ماہ پر محیط ہوتا تھا۔ ریلوے نظام کے باعث یہ سفر چند دنوں میں طے ہونے لگا۔یہ ریل 9 برس تک نہایت کام یابی کے ساتھ چلتی اور مدینۂ منوّرہ میں خوش حالی کا باعث بنتی رہی۔

دوسرے مرحلے میں اس ٹرین کو مدینۂ منوّرہ سے مکّہ مکرّمہ تک لے جانے کے کام کا ابھی آغاز ہوا ہی چاہتا تھا کہ جنگِ عظیم اوّل شروع ہوگئی اور سلطنتِ عثمانیہ کی اس جنگ میں شرکت کی وجہ

سے یہ منصوبہ شروع نہ کیا جاسکا۔ ریلوے اسٹیشن کی عمارت کے عقب میں ریل کی پٹڑی، اس کے ڈبّے اور پرانے زمانے کا انجن سلطنتِ عثمانیہ کے عظیم الشان دَور کی یاد دلاتا ہے کہ جب خلافتِ عثمانیہ، دنیا کی سب سے بڑی قوّت اور تین براعظموں کی مالک تھی۔ ریلوے اسٹیشن کی اس قدیم عمارت کو عجائب گھر میں تبدیل کردیا گیا ہے، جس کی بنیاد 1419ہجری بمطابق 1999ء میں رکھی گئی۔

میوزیم میں حضوراکرم صلہ اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی بعض اشیاء محفوظ کی گئی ہیں۔ گرائونڈ فلور پر قدیم زمانے کی آٹا پیسنے کی ایک بڑی اور موٹی چکّی، مٹّی کے برتن، زیورات، گھریلو سامان موجود ہے، جب کہ پہلی منزل پر قدیم زمانے کے آلاتِ ضرب، تلواریں، تیر کمان اور نیزے وغیرہ آویزاں ہیں۔ اس کے علاوہ قرآنِ کریم کے قدیم نسخے، اور نادر تصاویر وغیرہ بھی عہدِ قدیم کی یاد دلاتی ہیں۔یاد رہے، بابِ عنبریہ کے میدان میں ریلوے اسٹیشن کے اندر واقع اس میوزیم کی نگرانی وزارتِ ثقافت کے شعبہ آثارِ قدیمہ کے ذمّے ہے۔

الحمد للہ رب العالمین